پروفیسر قاضی غلام محمد

حیات اور فن

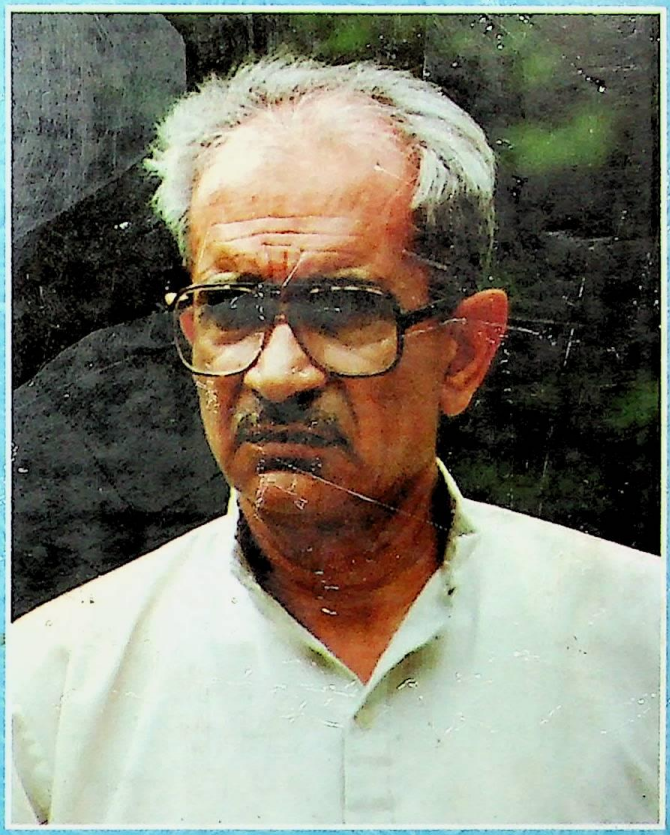

مصنفہ

ڈاکٹر نصرت جان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

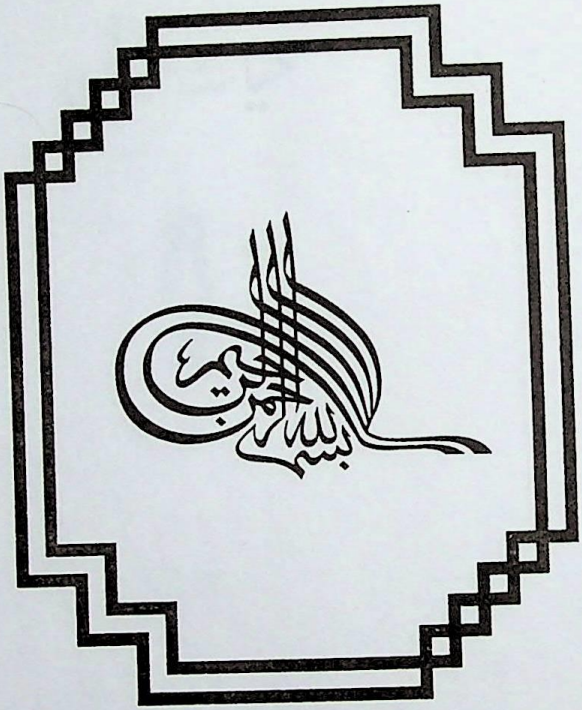

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر قاضی غلام محمد

حیات اور فن

مصنفہ

ڈاکٹر نصرت جان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر قاضی غلام محمد

حیات اور فن

مصنفہ

ڈاکٹر نصرت جان

شاہد پبلی کیشنز، نئی دھلی ۲

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

© جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ

نام کتاب : پروفیسر قاضی غلام محمد
مصنفہ : ڈاکٹر نصرت جان
ناشر : ڈاکٹر نصرت جان
سنہ اشاعت : ۲۰۰۶ء
کمپوزنگ : محمد اعلم
مطبع : شاہد پبلیکشنز، نئی دہلی ۔۲
قیمت : 200 روپے
باہتمام : ڈاکٹر شاہد حسین، نئی دہلی موبائل : 9868572724
فون : 23272724

ISBN. 81-99980-05-6

ملنے کے پتے

1. ڈاکٹر نصرت جان، نرورہ عیدگاہ، ایس آر گنج، سری نگر، کشمیر
2. مرزا پبلیکشنز، رینا واڑی، حسن آباد، سری نگر کشمیر
3. کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار جامع مسجد، دہلی ۔۶
4. شاہد پبلیکشنز، 2253، گلی ریشم والی، دریا گنج، نئی دہلی ۔۲

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انتساب

پروفیسر محمد زماں آزردہؔ

کے نام

جن سے میں نے زندہ رہنے کا ہنر سیکھا

نصرت جان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

فہرست

حرفے چند	پروفیسر محمد زماں آزردہ	11
پیش لفظ	نصرت جان	13
باب اول		17
	پروفیسر قاضی غلام محمد کی حیات	
باب دوم		55
	پروفیسر قاضی غلام محمد کی نثر نگاری	
باب سوم		91
	پروفیسر قاضی غلام محمد کی شاعری	
باب چہارم		147
	انتخاب کلام	
کتابیات		177

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حرفے چند

پروفیسر قاضی غلام محمد مرحوم ریاضی کے مانے ہوئے استاد اور محقق تھے مگر شعر و ادب کا ذوق وشوق ان میں ایسا رچا بسا تھا کہ جن کا ریاضی سے کوئی سروکار نہیں تھا، وہ ان کے محبوب شاعر اور ادیب تھے اور جن کا ریاضی سے معاملہ تھا وہ ان کو اپنا رہبر اور معاملہ فہم ریاضی دان سمجھتے تھے۔ کئی لوگوں کے لیے یہ مسئلہ تھا کہ وہ ان کو کس خانے میں شمار کریں۔ اس پر ان کی یادداشت اس بلا کی تھی کہ ہزاروں اشعار نہ صرف یہ کہ ازبر تھے، بلکہ کوئی شعر ان کے سامنے رکھتے تو فوراً بتا دیتے کہ یہ کس شاعر کا ہے۔ ہم اردو کے اساتذہ ان کی یادداشت، ان کے علم اور ان کی تنقیدی نگاہ سے ہمیشہ استفادہ کرتے تھے۔ قاضی صاحب گفتگو بھی بہت اچھی کرتے تھے۔ ان کی بذلہ سنجی ہر ایک کی توجہ کو فوراً اپنی طرف کھینچتی تھی۔ ان کے مزاحیہ شعر ان کے دوستوں کو زبانی یاد رہتے تھے۔ تقریباً پچاس برس قبل ان کی علی گڑھ میں کہی ہوئی نظم ''ڈائنگ ہال'' قاضی صاحب کے علی گڑھ چھوڑنے کے بعد بھی اساتذہ اور طالب علموں کی زبان پر رہتی تھی اور اب بھی ضرور ہوگی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مجھے نہایت مسرت ہے کہ ڈاکٹر نصرت جان نے قاضی صاحب کی زندگی اور ان کے فن پر ایک مستقل کتاب لکھ کر ہمارے ذخیرۂ ادب میں ایسا اضافہ کر دیا جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ڈاکٹر نصرت جان طالب علمی کے زمانے سے ہی کچھ نہ کچھ لکھتی رہی ہیں۔ ان کے انشائیے محفل صنم، دہلی اور قومی زبان حیدر آباد کے علاوہ کالج کے میگزین میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ کلچرل اکادمی سری نگر کے رسالہ شیرازہ میں بھی ان کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر نصرت جان مبارکباد کی مستحق ہیں کہ ان کی پہلی کتاب منظر عام پر آرہی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ادبی حلقوں میں یہ کوشش مقبول ہوگی۔ میں ان کے روشن مستقبل کے لیے دعا کرتا ہوں۔ آمین

محمد زماں آزردہ
حسن آباد۔ سری نگر
۲۴/جنوری ۲۰۰۶ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پیش لفظ

کشمیر جہاں اپنے نظاروں کے لیے جنت نگاہ ہے وہیں علم، فلسفہ، حکمت اور نامور شخصیات کے لیے اپنی مثال آپ ہے۔ کشمیر یونیورسٹی کے طالب علم اور اسکالرس اس اعتبار سے خوش نصیب ہیں کہ انھیں ایک تو بہت ہی خوبصورت کیمپس میں رہنے کا موقع ملتا ہے اور دوسرے اہم علمی شخصیات سے قریب ہونے کا موقع ملتا ہے۔ کشمیر یونیورسٹی کے اساتذہ میں کئی تخلیق کار شاعر اور ادیب پہلے بھی رہے ہیں اور اب بھی ہیں ان میں پروفیسر قاضی غلام محمد کا نام نامی بہت اہم خیال کیا جاتا ہے۔

طالب علمی کے زمانے میں ہم اکثر اساتذہ سے قاضی صاحب کا ذکر سنتے تھے۔ ان کی شاعری کے چرچے ہر زبان پر ہوتے تھے مگر افسوس اس سے پہلے کہ ہم ان کو قریب سے سنتے مشاعروں میں داد دیتے کہ وہ ریٹائر ہوگئے، پھر امریکہ چلے گئے۔ واپس آئے تو کیمپس سے باہر بٹوارہ میں اپنے دوست غلام حسن کے مکان میں رہنے لگے۔ دوبارہ امریکہ چلے گئے اور پھر امریکہ کی مٹی اس قدر راس آگئی کہ وہیں پیوند خاک ہوگئے۔

اب یہی ایک طریقہ ان کو خراج عقیدت پیش کرنے کا سمجھ میں آرہا تھا کہ ان کی شاعری کو پڑھ کر ان پر کچھ لکھا جائے۔

میری بعض دوستوں نے پہلے تو میرا مذاق اڑایا کہ میں کتاب لکھنے کی سوچ رہی ہوں جب انھیں یقین ہوگیا کہ میرا ارادہ اٹل ہے۔ تب کہنے لگیں کہ اگر کتاب ہی لکھنا ہے تو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

غالبؔ یا اقبالؔ پر لکھوتا کہ کوئی پڑھے بھی ورنہ قاضی پر کتاب لکھوگی تو اسے پڑھے گا کون؟ تھوڑی دیر کے لیے میرے ذہن میں یہ آیا کہ شاید ٹھیک ہی کہتی ہیں، لیکن ساتھ ہی میں نے اپنے آپ کو ٹٹولا تو میرے اندر سے آواز آئی کہ کتاب تو میں اپنے لیے لکھ رہی ہوں پڑھنے والوں سے میرا کیا کام؟ پھر بھی میں نے یہ بات اپنے استاد کے سامنے رکھی تو انھوں نے مجھے سمجھایا کہ تمھاری سہیلیاں ٹھیک نہیں سوچتیں۔ غالبؔ یا اقبالؔ پر لکھوگی تو اس میں کیا اضافہ ہوگا۔ لکھنا ایسے موضوع پر چاہیے جو اچھوتا ہو۔ بیشک اس میں مشکلیں پیش آئیں گی اور ان مشکلوں پر قابو پانا ہی تمھارا بنیادی کام ہوگا۔ قاضی غلام محمد پر لکھوگی تو اردو ادب کی تاریخ کے اوراق میں چند جملوں کا اضافہ ہوگا۔ غالبؔ اور اقبالؔ پر لکھوگی تو شاید تمھارا نام بھی کہیں نہ آئے، کیونکہ ان پر ہزاروں کتابیں پہلے ہی لکھی جا چکی ہیں۔ میری رائے میں قاضی پر لکھنے کا تمھارا خیال نہایت مناسب ہے۔ یہ موضوع ایسا ہے کہ ہر ایک آپ کی کتاب سے مستفید ہوگا۔ اس گفتگو سے میرا حوصلہ بڑھا اور میرے ارادے میں مزید پختگی آئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ کام اس لائق ہوا کہ میں اسے آپ کے سامنے پیش کرنے میں خوشی محسوس کر رہی ہوں۔

اپنی سہولت کے لیے میں نے اس منصوبہ کو چار ابواب میں تقسیم کیا۔ پہلے باب میں پروفیسر قاضی غلام محمد کے حالات زندگی جمع کر کے ان کو ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے چونکہ قاضی صاحب کے حالاتِ زندگی کہیں پر مندرج نہیں تھے، اس لیے اس میں بہت دقتیں پیش آئیں لیکن قاضی صاحب کے احباب اور ان کے گھر کے لوگوں کی مدد سے یہ کام قدرے آسان ہوگیا۔

دوسرے باب میں قاضی صاحب کی نثر نگاری میں ان کے ذہنی رویے کی عکاسی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تیسرے باب میں ان کی شاعری کی اہم خصوصیات کا احاطہ کرنے کی کوشش ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں اپنے اساتذہ خاص طور پر اپنے رہبر پروفیسر محمد زماں آزردہ کی شکر گزار ہوں، جنھوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی۔ میں مرحوم قاضی غلام محمد کے افراد خانہ خصوصاً ان کی اہلیہ اور صاحبزادی فوزیہ کی ممنون ہوں کہ ان کی وساطت سے قاضی صاحب کے سوانحی حالات تک رسائی ممکن ہوئی۔ پروفیسر تصور احمد کنٹھ کا شکریہ کہ انھوں نے قاضی صاحب کی زندگی کے اہم واقعات میرے سامنے دہرائے۔ میں اپنے والدین اور برادران خاص طور پر اپنے چھوٹے بھائی محمد مظفر بیگ کی احسان مند ہوں کہ انھوں نے مجھے اپنا یہ شوق پورا کرنے کا موقع دیا۔

میں ڈاکٹر ظلِّ ہما اور ڈاکٹر شاہد حسین نئی دہلی کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ انھیں کی وجہ سے یہ کتاب اشاعت کے تمام مراحل سے گزر کر آپ کے سامنے ہے۔

آخر میں آپ کا شکریہ کہ میری یہ حقیر کاوش آپ کے زیر مطالعہ ہے۔

(ڈاکٹر) نصرت جان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

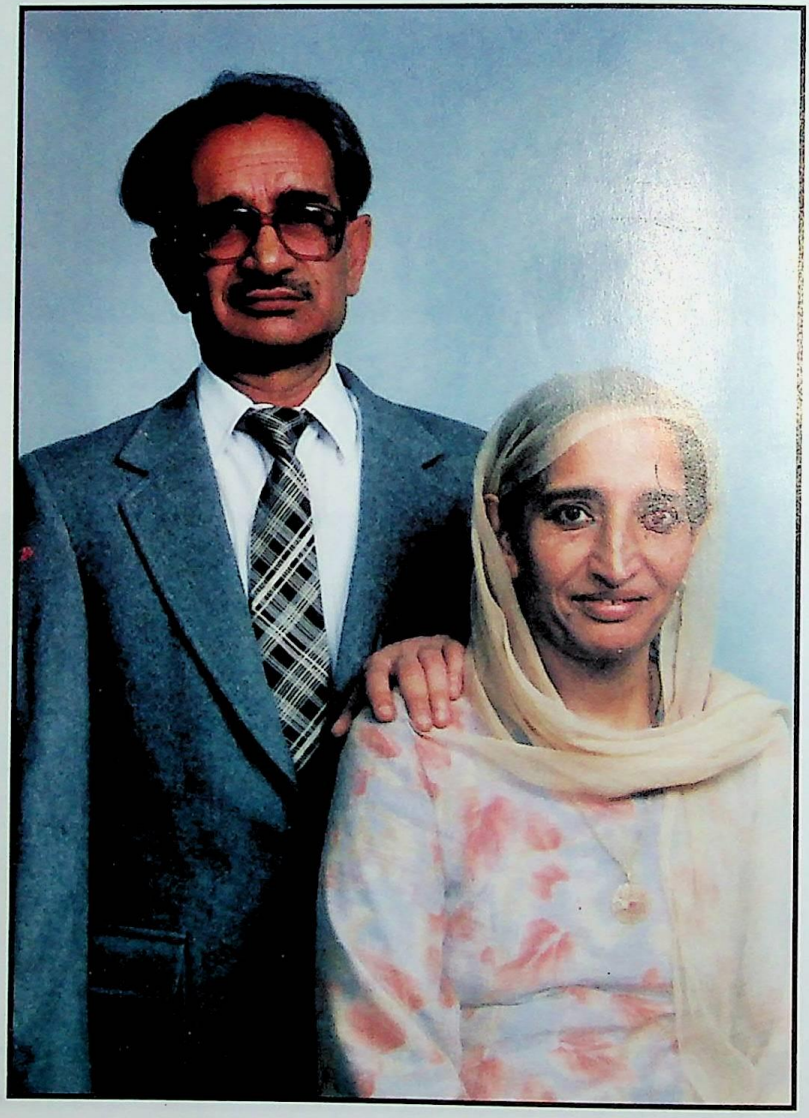

قاضی غلام محمد اور بیگم قاضی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قاضی غلام محمد پروفیسر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر محمد زماں آزردہ

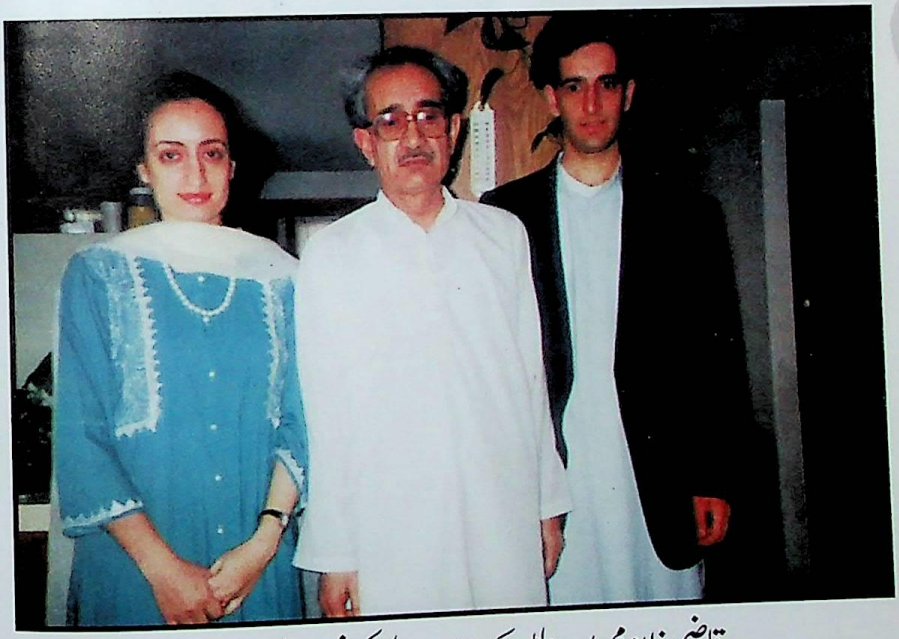

قاضی غلام محمد اپنے لڑکے داؤد اور لڑکی فوزیہ کے ساتھ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قاضی صاحب، بیگم قاضی، بیٹے داؤد اور بیٹی فوزیہ

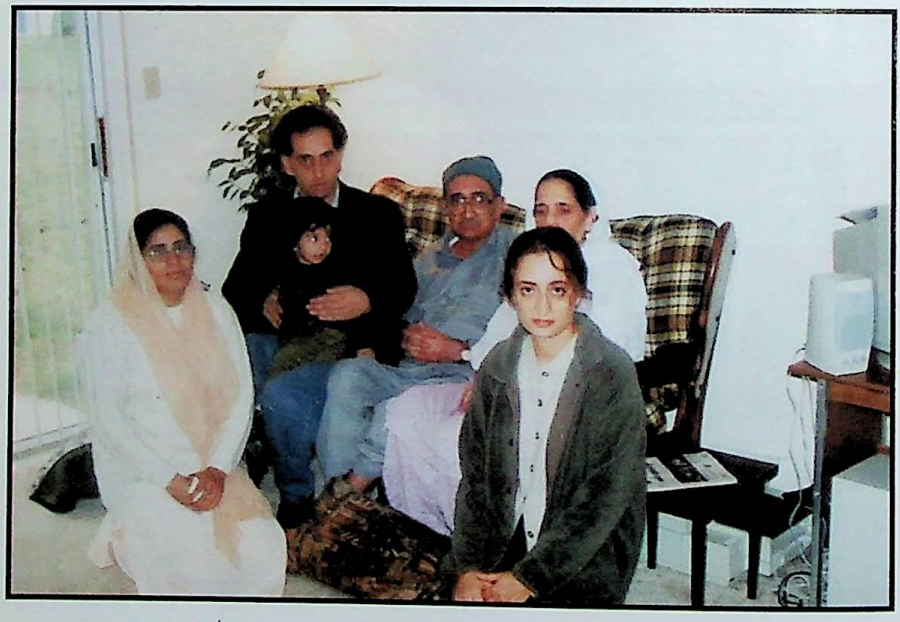

قاضی صاحب، بیگم قاضی، بیٹے داؤد، بہوصنوبر اور بیٹی فوزیہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

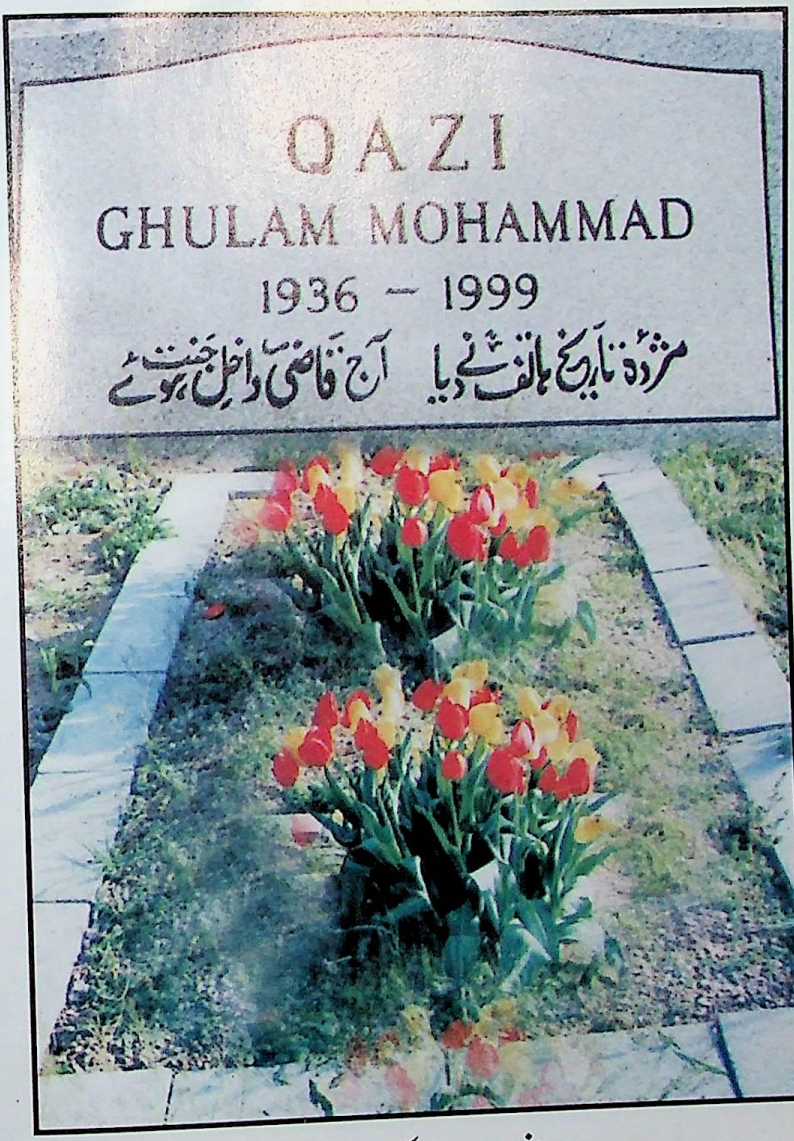

قاضی صاحب کی آرام گاہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

باب اول

حیات

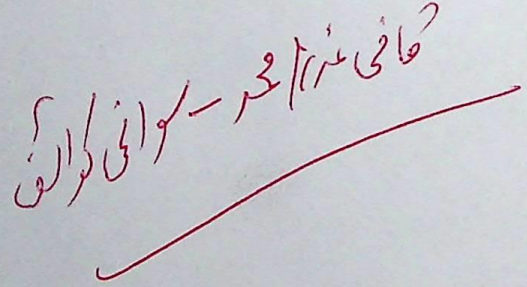

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

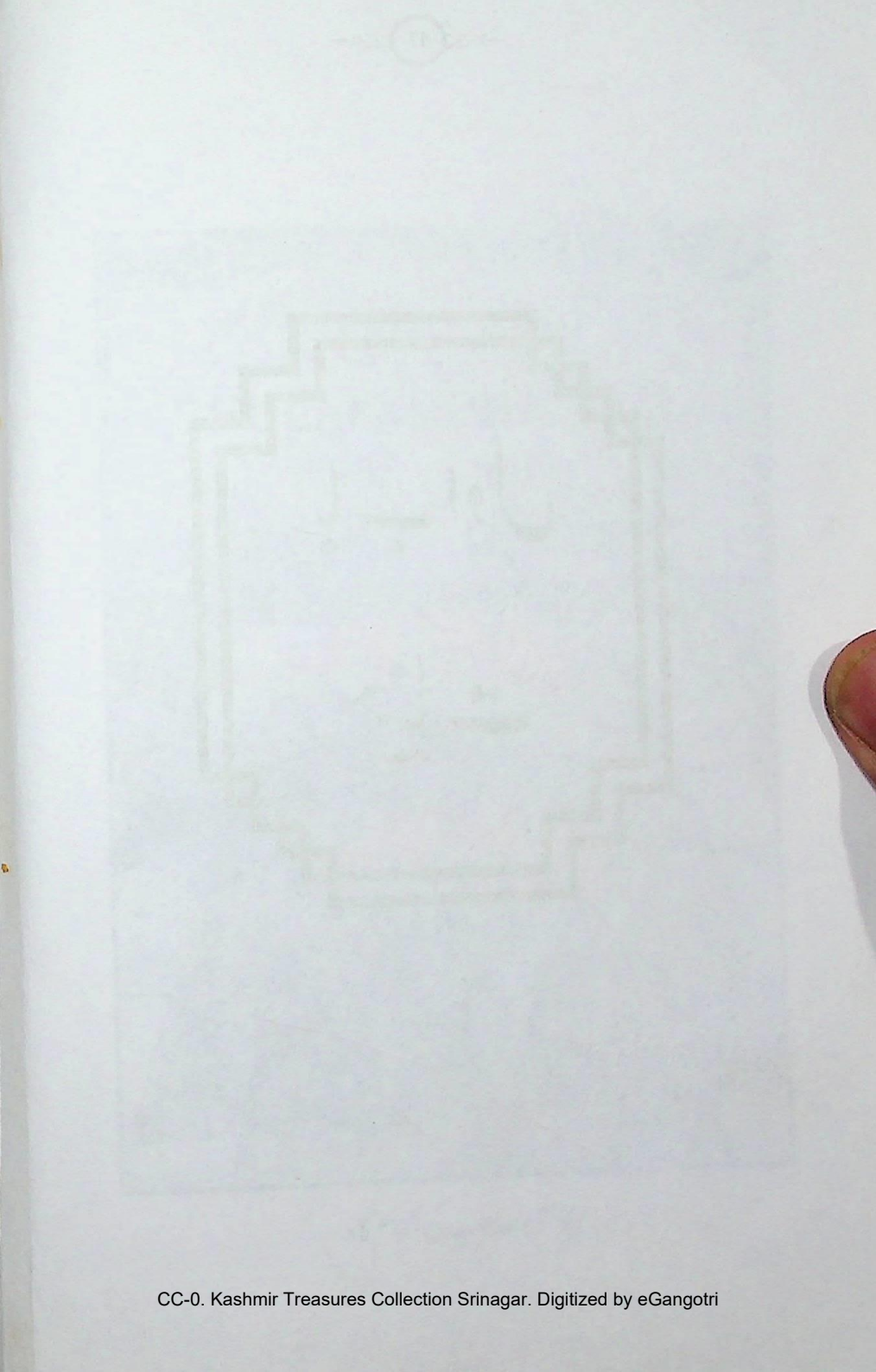

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

خاندان

پروفیسر قاضی غلام محمد ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آباو اجداد تاشقند[1] سے کشمیر آئے تھے۔ ان کے خاندان کے ایک بزرگ قاضی موسیٰ[2] ایک صوفی بزرگ تھے۔ قاضی صاحب کے دادا غلام حسن ایک نیک سیرت شخص تھے۔ اُن کا پیری مُریدی کا سلسلہ تھا۔ ان کے والد قاضی محمد حسین محکمۂ جنگلات میں ملازم تھے اور پورے محکمہ میں وہ دیانت دار اور لائق مشہور تھے۔ (اُن کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ملازمت کے آخری ایّام میں قصبہ کی رونق بڑھانے اور ماحولیاتی کثافت کو دور کرنے کے لیے قریبی پہاڑ کو سدا بہار جنگل بنانے کی کوشش کی۔ بدلو اور کافی فر کے درخت لگوائے جو آج بھی اپنی رعنائی کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ غرض اس خاندان کو پورے قصبے میں عزت اور احترام سے

---

[1] یہ بات دورانِ گفتگو قاضی صاحب کی بیٹی فوزیہ صاحبہ سے معلوم ہوئی۔

[2] ہرچند کہ قاضی فوزیہ، قاضی موسیٰ کے بارے میں کچھ زیادہ نہ کہہ پائی البتہ یہ وہی قاضی موسیٰ ہوسکتے ہیں جنھیں یعقوب خان نے شمس چک کی موافقت کا الزام دے کر قتل کروادیا تھا۔ بحوالہ تاریخ حسن، پیر غلام حسن کھویہامی، جلد دوم، صفحہ ۲۹۔۳۲۸، مطبوعہ حکومت جموں وکشمیر، شعبۂ ریسرچ ۱۹۵۴ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دیکھا جاتا ہے۔ قاضی صاحب کی والدہ محترمہ سارہ ایک معزز اور اعلیٰ گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا خاندانی پیشہ پیر مریدی تھا)۔

پیر عظیم الدین صاحب ساکن تلوفی ضلع اننت ناگ ایک بزرگ اور درویش صفت آدمی تھے۔ ان کا پیشہ پیر مریدی تھا۔ اپنے آبائی گاؤں کے بزرگ ترین لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ شب و روز اطاعت الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ان کے دو فرزند اور تین بیٹیاں تھیں۔ ایک فرزند پیر زادہ غلام مصطفیٰ پیشہ پیر مریدی کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے۔ اپنے خاندانی پیشہ پیری مریدی سے بھی دلچسپی تھی۔ وہ زبردست عاشق رسولؐ تھے۔ ان کا تخلص منظورؔ تھا جو انھیں اپنی خوش قسمتی سے درگاہ آثار شریف حضرت بل سری نگر میں عطا ہوا تھا۔ ان کی شاعری زیادہ تر نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ ان کی تصانیف بہارِ نعت، مدینہ نعت، گلشنِ آثار شریف، منظوم مولودِ شریف، منظوم ترجمہ کبریت احمر وغیرہ ہیں۔

دوسرے فرزند غلام نبی صاحب پیر مُریدی کے ساتھ وابستہ تھے۔ ان کی تین بیٹیاں تھیں جن میں ایک سارہ جناب پروفیسر قاضی غلام محمد کی والدہ محترمہ تھیں۔ دونوں بھائی اور تینوں بیٹیاں رحلت کر چکی ہیں۔ قاضی صاحب اپنے والدین خصوصاً والدہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ چنانچہ والدین کی محبت ہی انھیں روز سرینگر سے اسلام آباد کا سفر کرنے پر آمادہ کرتی تھی۔

قاضی غلام محمد کے والد مرحوم جناب قاضی محمد حسین کو علم و ادب سے کافی لگاؤ تھا۔ قاضی صاحب کو ورثے میں علم و ادب اور شعر و شاعری کا ذوق و شوق ملا تھا۔ قاضی صاحب کے گھر میں کافی تعداد میں کتابیں تھیں۔ قاضی صاحب کے والد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جناب قاضی محمد حسین کو علم و ادب اور شعر و شاعری سے خاصی دلچسپی تھی۔ اردو شعراء کے علاوہ فارسی شعراء کی کتابیں ان کے گھر میں بڑی تعداد میں موجود تھیں۔ ان کے والد محترم کو اقبالؔ کے کلام سے بہت لگاؤ تھا۔ کہتے ہیں کہ اکثر اقبالؔ کے اشعار گنگناتے رہتے تھے۔ قاضی صاحب پر بچپن سے ہی اس کا خاصا اثر پڑا۔ شعر و شاعری سے قاضی صاحب کی بچپن سے ہی اس قدر دلچسپی ہوگئی تھی کہ انھوں نے سینکڑوں شعر ازبر کر لیے تھے۔ ان کی شعر گوئی کا باضابطہ آغاز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں طالب علم کے زمانے میں ہوا۔ اور ابتداء ہی سے اپنے لیے شعر و ادب کی دنیا میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔

علم و ادب سے قاضی صاحب کا لگاؤ پہلے سے ہی رہا ہے۔ گھر کا ماحول علمی و ادبی تھا۔ والد صاحب بھی عربی و فارسی ادب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ ان کے گھر میں کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا۔ کتابوں سے قاضی صاحب کے والد کے لگاؤ کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ قاضی صاحب جب بہت چھوٹے تھے تو ان کے گھر میں آگ کی واردات پیش آئی۔ ان کے والد اُس وقت گھر میں موجود نہیں تھے۔ جب وہ گھر کی طرف آرہے تھے تو راستے میں کسی نے گھر میں آگ لگنے کی خبر سنائی۔ تو سب سے پہلے انھوں نے کتابوں کے بارے میں پوچھا کہ وہ محفوظ ہیں نا! اور اس کے بعد اہل و عیال کے بارے میں دریافت کیا۔ اس سے کتابوں سے ان کے عشق کا اندازہ ہوتا ہے۔ اہل و عیال کے مقابلے میں وہ کتابوں کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ اسی ماحول نے قاضی صاحب کی طبیعت کو جلا بخشی۔

قاضی صاحب کے والد جناب قاضی محمد حسین نے دو شادیاں کی تھیں، پہلی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دو بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ قاضی محمد حسین صاحب کی دوسری بیوی سارہ نام کی خاتون کے بطن سے قاضی صاحب پیدا ہوئے۔ ان کے بطن سے دو اور اولادیں ہوئیں۔ قاضی صاحب سب سے بڑے تھے ایک چھوٹا بھائی اور ایک بہن تھی جو بچپن میں صرف سات سال کی عمر میں انتقال کر گئی۔ بھائی قاضی فضل الرحمٰن ۱۹۹۲ء میں اسلام آباد میں شہید ہوئے۔ مرحوم بڑے ذہین اور اعلیٰ صلاحیت کے مالک تھے لیکن مالی حالات کے سبب اپنی تعلیم مکمل نہ کر پائے۔ ان کی شادی اسلام آباد میں پیر غلام نبی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ قاضی صاحب کو ان کی وفات سے بہت رنج ہوا۔ قاضی صاحب نے اسلام آباد میں اپنے ذاتی مکان کا حصہ بیچ کر اس کی رقم اپنے شہید بھائی کے اہل وعیال کو دے دی۔

قاضی صاحب کے والد قاضی محمد حسین نے پہلے وفات پائی اور اس کے کچھ عرصہ بعد ان کی والدہ محترمہ سارہ بھی اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئیں۔ قاضی صاحب کو اپنی والدہ سے کافی لگاؤ تھا۔ والدہ سے آپ بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اپنی ماں کے دمِ آخر تک وہ ان کی دلجوئی کرتے رہے اور ہر طرح سے خدمت بجا لاتے رہے۔ علالت کے ایّام میں قاضی صاحب نے والدہ کی ایسی تیمارداری کی کہ شاید ہی ایسی مثال کہیں ملے۔ ایک ہاتھ سے قاضی صاحب والدہ کو بیماری کے ایام میں سہلاتے تھے تو دوسرے ہاتھ میں کتاب ہوتی تھی۔ قاضی صاحب کو اپنی ماں کی وفات کا اس قدر شدید صدمہ ہوا کہ وفات کے وقت قاضی صاحب بہت روئے اور رات بھر اسی درد سے تڑپتے رہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے لکھا ہے:

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''قاضی صاحب والدین کے بہت اطاعت گذار تھے اور ضعیف و بیمار والدہ کی ایسی خدمت کرتے رہے کہ شاید ہی عہد حاضر کا کوئی شاعر اس معاملہ میں ان کی ہم سری کر سکے۔''[1]

پیدائش

۱۹۳۶ء میں قاضی غلام محمد اسلام آباد (اننت ناگ) میں ریش مول صاحب آستانِ عالیہ کے قریب ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم قاضی محمد حسین نے دو شادیاں کی تھیں پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ دوسری بیوی سارہ نام کی خاتون کے بطن سے قاضی صاحب پیدا ہوئے۔ اس لیے قاضی صاحب کی پرورش بڑے لاڈ پیار سے ہوئی۔ دو ماؤں کا پیار آپ کو نصیب ہوا۔ آپ کے والدین نے آپ کی پرورش بڑے پیار سے کی۔ والدین کے سایہ میں آپ نے بچپن کے ایّام میں بڑی خوش حالی میں بسر کیے۔ باپ نے بیٹے کی پرورش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ چونکہ والد محکمۂ جنگلات میں ملازم تھے، اس لیے کبھی کبھی قاضی صاحب کو بچپن میں اپنے والد صاحب کے جنگلوں کی سیر کرنے کے مواقع میسر ہوتے رہے۔ مرغ زاروں اور سبزہ زاروں کی سیر نے ان کے ذہن میں حُسنِ فطرت سے ایسا لگاؤ پیدا کیا کہ ان کی طبیعت میں شاعرانہ خصوصیات پیدا ہوگئیں اور ان کے تخلیقی ذہن کو جلا ملی۔ اس بارے میں سید رسول پونپر صاحب نے اپنی کتاب ''پوت نظر'' میں لکھا ہے:

---

[1] ماہنامہ ''تعمیر'' اگست ستمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۸، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بابہٕ صائبس اوٗسس قاضی محمد حسین ناو۔ سُہ اوس جنگلات محکمس منٛز فارسٹر (Forester)۔ سُہ اوس گٕنہِ گٕنہِ پٔنٕنس مأۂلس ستی نیربن ٹیٛن پھیران، یمہِ کنی تھندِس وٕبأۂلی مزازس پیٛیہِ ہن چین لگ تہٕ فطرتک حیرت زا حسن گوٚو اُوی لِس دِلس نقش کھنِتھ۔ بندوٗق چلاوٗن تہٕ کش کڈنس منٛز مہارت حأصل کرٕنی تہِ چھُ اَمہِ کٕے رُت ثمر۔

ترجمہ: والد صاحب کا نام قاضی محمد حسین تھا۔ وہ محکمۂ جنگلات میں فارسیٹر (Forester) تھے۔ وہ (قاضی صاحب) کبھی کبھی اپنے والد کے ساتھ اونچے پہاڑوں پر واقع میدانوں اور سبزہ زاروں کی سیر کو جاتے تھے۔ اس سبب سے ان کے لا اُبالی مزاج کو اور جلا ملی اور فطرت کے حیرت زا حسن نے ان کے نازک دل پر اپنا نقش کھینچ دیا۔ بندوق چلانے اور پتھر پھینکنے میں مہارت حاصل کرنا اسی کا بہتر ثمر تھا۔

تعلیم

قاضی غلام محمد نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی قصبہ اننت ناگ میں ہی حاصل کی۔ اول اول آپ اپنے والد صاحب سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد اسلام آباد میں ہی حنفی اسکول میں داخل کیا گیا۔ ۱۹۵۰ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ والد صاحب کے پینشن ہونے پر آمدن کا کوئی خاص ذریعہ نہ رہا تھا۔ اس وجہ سے والد صاحب نے تعلیم ترک کرنے کو کہا لیکن علم و ادب سے قاضی صاحب کا لگاوٗ دیکھ کر قاضی صاحب کے والد نے انھیں آگے پڑھانے کا

[1] سید رسول پونپر "پوٚت نظر" ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۹۴

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بیڑا اٹھایا اور قاضی صاحب اپنی محنت اور لگن سے علم و ادب کی دنیا میں آگے بڑھتے گئے۔ قاضی صاحب نے بی، اے میں ریاضی کے مضمون کا انتخاب کیا اور ۱۹۵۴ء میں آپ اپنی قابلیت اور محنت سے بی، اے کے امتحان میں اول آئے۔ ایم اے کرنے کے لیے آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی چلے گئے اور اپنی ذہانت سے ریاضی مضمون میں ایم، اے میں تیسری پوزیشن حاصل کرلی۔ قاضی صاحب کے خاندان میں علم پروری اور کتب بینی کی روایت کافی عرصہ سے تھی۔ چنانچہ ان کے یہاں کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا جس میں فارسی اور عربی کتابوں کی خاصی تعداد تھی۔ چنانچہ قاضی صاحب نے ابتدائی عمر میں ہی کتابوں سے آشنائی کرلی تھی۔

جیسا کہ ابتداء میں ذکر آیا ہے کہ قاضی غلام محمد کے والد مرحوم جناب قاضی محمد حسین کو بھی علم وادب سے کافی لگاؤ تھا۔ اس لیے قاضی صاحب کو علم و ادب اور شعر و شاعری کا ذوق وشوق ورثے میں ملا۔ قاضی صاحب کے والد جناب قاضی محمد حسین نے اپنے علم و داب اور شعر و شاعری سے دلچسپی کی تسکین کے لیے اردو شعراء کے علاوہ فارسی شعراء کی کتابیں بھی اپنے گھر میں جمع کرلی تھیں۔ ان کے والد محترم کو اقبالؔ کے کلام سے کافی لگاؤ تھا وہ اکثر اقبالؔ کے اشعار گنگناتے رہتے تھے۔ قاضی صاحب پر بھی اس کا اثر بچپن سے ہی پڑا شعر و شاعری سے قاضی صاحب کی بچپن میں ہی اس قدر دلچسپی پیدا ہوگئی تھی کہ انھوں نے خاصی تعداد میں شعر ازبر کرلیے تھے۔ ان کی شعر گوئی کا باضابطہ آغاز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں طالب علمی کے زمانے میں ہوا اور ابتداء سے ہی شعر و ادب کی دنیا میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

غذا

قاضی غلام محمد کی طبیعت کھانے پینے کے معاملے میں بالکل مختلف تھی۔ گوشت، مرغا، سبزی بھی خالص دیسی پسند کرتے تھے اور اس معاملے میں بے حد سنجیدہ تھے۔ بجبہاڑہ کے ایک قصائی کے بارے میں انھیں یقین تھا کہ اس کے یہاں کشمیری بھیڑ ہی کا گوشت بکتا ہے۔ بڑی کاوش سے گوشت وہیں سے منگواتے تھے۔ اس بارے میں ان کی اہلیہ نے بتایا[1] قاضی صاحب کو اچھا پکا ہوا کھانا پسند تھا۔ مرچیں زیادہ ہونی چاہیے تھیں۔ مچھلیاں، کشمیری دال غرض کھانے پینے کے معاملے میں الگ ہی انداز رکھتے تھے۔ گھر کے اخراجات میں کبھی کوئی کمی نہیں ہونے دیتے۔ مہنگا سے مہنگا خرید کر لا دیتے تھے۔

قاضی صاحب کی طبیعت سیمابی تھی۔ ہر کام جلدی کرتے تھے۔ آل احمد سرور نے بھی ان کی طبیعت کو سیمابی کہا ہے۔ اس بارے میں پروفیسر محمد زماں آزردہ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''قاضی صاحب کے لیے ایک جگہ بیٹھ کر کام کرنا اس لیے مشکل تھا کہ ان کی طبیعت سیمابی تھی۔''[2]

قاضی صاحب سگریٹ بہت زیادہ پیتے تھے۔ سگریٹ کیونڈر کا پیتے تھے اور وہ بھی فلٹر کے بغیر۔ سگریٹ کے ساتھ چائے بھی پیتے تھے۔ چائے وہ بھی اس

---

[1] دوران گفتگو بزبان سکینہ زہرا صاحبہ، اہلیہ قاضی غلام محمد مرحوم، یہ باتیں معلوم ہوئیں۔

[2] گلالہ— یونیورسٹی میگزین شائع کردہ ڈین سٹوڈنٹس ویلفیر ۲۰۰۰ء، صفحہ ۱۴

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لیے پیتے تھے کہ اس کے ساتھ سگریٹ کا مزہ دو چند ہو جاتا تھا اور سگریٹ اس لئے پیتے تھے کہ اس سے چائے دو آتشہ ہو جاتی تھی۔ اس لیے ان کی اہلیہ محترمہ کا کہنا ہے:

''قاضی صاحب سگریٹ بہت زیادہ پیتے تھے۔ مجھے ان کی اس عادت سے الجھن ہو جاتی تھی اور میں اکثر پریشان ہوتی کہ وہ اتنے زیادہ سگریٹ کیوں پیتے ہیں، قاضی صاحب صرف کیونڈر سگریٹ پینا پسند کرتے تھے یہاں تک کہ جب قاضی صاحب امریکہ میں تھے، انھوں نے یہاں سے اس Brand کے سگریٹ منگوائے جس چیز کو قاضی صاحب ایک بار پسند کرتے عمر بھر اس کو سینے سے لگائے رکھتے تھے۔''[1]

لباس

کسی شخصیت کا اظہار اس کی عادتوں سے ہوتا ہے اور ان میں لباس کا بھی خاصا دخل ہے۔ لباس کے معاملے میں بھی قاضی صاحب کی کچھ ترجیحات تھیں۔ قاضی صاحب ہمیشہ سادہ لباس پہننا پسند کرتے تھے جس طرز کا لباس انھیں ایک بار پسند آجاتا تھا عمر بھر اسی طرز کا لباس پہننا پسند کرتے تھے۔ قاضی صاحب ہمیشہ گرے (Gray) رنگ پہننا پسند کرتے تھے۔ اس بارے میں پروفیسر محمد امین

---

[1] یہ باتیں انھوں نے دورانِ گفتگو بیان کیں جس کی آڈیو ریکارڈنگ مقالہ نگار کے پاس محفوظ ہے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اندرابی[1] مرحوم لکھتے ہیں:

''لباس کے معاملے میں ان کی کچھ ترجیحات تھیں۔ ہمیشہ گرے رنگ (۱) کی Turned-up ریگولر (۲) پتلون پہنتے تھے۔ پتلون کی وضع قطع میں پچھلے تیس پینتیس برسوں میں کئی طرح تبدیلیاں آئیں اور خود میں نے بڑے بڑے ثقہ لوگوں کو بیل باٹم (۳) اور بیگی (۴) پتلونیں پہنے دیکھا ہے، لیکن نہ بدلی تو قاضی صاحب کی پتلون تراش۔ غرض بڑے ہی وضعدار آدمی تھے۔ ایک بار جو چیز پسند آگئی، عمر بھر اس سے نباہ کرتے رہے۔ آج کل کی تجارتی زبان میں اسے Brand Loyalty کہتے ہیں اور تقریباً یہی چیز اگلے وقتوں میں وضعداری کہلاتی تھی۔''[2]

قاضی صاحب بڑے وضعدار آدمی تھے۔ ایک بار جوادا انھیں پسند آجاتی عمر بھر اس سے نباہ کرتے۔ اس بارے میں ان کی بیٹی فوزیہ صاحبہ بتاتی ہیں:

'' قاضی صاحب کو ایک بار جو چیز پسند آجاتی عمر بھر اس سے نباہ کرتے۔ ان کے کمرے میں صرف گرے (Gray) رنگ کے پتلون موجود تھے۔ گرے رنگ قاضی صاحب کو بہت پسند تھا۔ اس معاملے میں انھوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔''[3]

---

[1] پروفیسر محمد امین اندرابی مرحوم قاضی صاحب کے قریبی دوستوں میں تھے۔ اقبال انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ہونے کے علاوہ اندرابی صاحب، اچھے نثر نگار، خوش خلق، خوش وضع اور خوش پوش انسان تھے۔ مکاتیب اقبال پر ان کا کام قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ کا انتقال ۲۹/ دسمبر ۲۰۰۱ء کو ہوا۔

[2] گلالہ۔ پروفیسر محمد امین اندرابی۔ ۲۰۰۰ء صفحہ ۳۵، جلد ۱

[3] یہ باتیں ان کی بیٹی فوزیہ صاحبہ نے دوران گفتگو بتائیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شادی

قاضی غلام محمد کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ ان کی پہلی شادی صرف ۱۵/سال کی عمر میں ان کے والدین نے بڑے شوق سے علاقہ بانڈر پورہ میں مرحوم حکیم اللہ کی بیٹی مسماۃ حلیمہ نام کی لڑکی سے کی۔ لیکن شادی کے پانچ برس بعد ہی ان کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بھائی حکیم غلام نبی صدیقی گلزار جو ابھی حیات ہیں۔ اردو اور کشمیری زبانوں کے شاعر بھی ہیں۔ اس بارے میں سید رسول پونپر صاحب اپنی کتاب ''پوت نظر'' میں لکھتے ہیں:

گوڈنیک نیتھر تہِ اوسُس اننت ناگ سریہِ ہُنڈُ ے بانڈر پورِ یک۔ سوٲس مرحوم حکیم علیم اللہٕ سنز ڈ بکہِ بڈکوٗرتہٕ ناو اوسُس مُسماۃ حلیمہ یوسہٕ کھاندرٕ پتہٕ شيٖ وٕہری خدایس ٹاٹھ گے۔ مرحومہ ٲس ماٲلس ماجہِ ہنز خانہٕ موج کوٗر۔ تَسند کُنےٗ بوے (معالج) ڈاکٹر حکیم غلام نبی صدیقی گلزار چھُ وُنہِ حالے حیات۔ سُہ چھُ اُردوتہٕ کاشُر شاعرتہِ۔

ترجمہ: پہلی شادی بھی قصبہ اننت ناگ کے بانڈر پورہ میں ہوئی تھی۔ وہ مرحوم حکیم علیم اللہ کی بختاور صاحبزادی تھی اور نام تھا مسماۃ حلیمہ، جو شادی کے چھ برس بعد ہی اللہ کو پیاری ہوگئی۔ مرحومہ اپنے والدین کی لاڈلی بیٹی تھی۔ اس کا اکلوتا بھائی (معالج) ڈاکٹر حکیم غلام نبی صدیقی گلزار ابھی بقید حیات ہے۔ وہ اردو اور کشمیری زبانوں میں شعر کہتا ہے۔

قاضی صاحب کی دوسری شادی ۱۲/اکتوبر ۱۹۶۰ء میں اپنے آبائی گاؤں

---

۲ ''پوت نظر'' سید رسول پونپر ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۹۳

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

(اننت ناگ) اسلام آباد میں ہی خواجہ محمد علی کین (تاجر) کی بیٹی محترمہ سکینہ زہرا صاحبہ سے ہوئی۔ خواجہ علی محمد کین کے تین بیٹے ہیں۔ خواجہ اقبال کین (تاجر) شوکت اعجاز کین (پروفیسر فزکس) اور جلیل کین (تاجر) آپ کا خاندان ضلع اننت ناگ میں بڑا ہی آسودہ اور معزز خاندان مانا جاتا ہے۔ قاضی صاحب کی دوسری شادی ۲۴ سال کی عمر میں ہوئی اس وقت ان کی اہلیہ کی عمر ۲۰ سال تھی۔ محترمہ سکینہ زہرا ایک پڑھی لکھی، نیک سیرت، خوبصورت اور اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک ہیں۔ سکینہ زہرا نہایت ہی متقی، پرہیزگار اور روزے نماز کی سخت پابند ہیں۔ آپ قاضی صاحب کی خدمت گزاری اور خبرگیری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی تھیں۔ پیشہ کے لحاظ سے آپ محکمہ تعلیم سے وابستہ رہیں۔ قاضی صاحب کی نجی زندگی کے بارے میں جب میں نے ان سے گفتگو کی تو انھوں نے اس بارے میں بہت ساری باتیں بتائیں۔ قاضی صاحب محبت و شفقت سے بھرپور ایک اچھے انسان تھے۔ بحیثیت شوہر انھوں نے ہر فرض بخوبی نبھایا۔ جب قاضی صاحب سے ہماری شادی ہوئی تو اس وقت ان کی عمر ۲۴ سال اور میری تقریباً ۲۰ سال تھی۔ قاضی صاحب نے میرے ساتھ کبھی بھی اونچی آواز میں بات نہیں کی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کا اور میرا مزاج یکساں تھا۔ ان کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ وہ میرا خیال رکھتے تھے۔ قاضی صاحب کے لیے ایک جگہ بیٹھنا مشکل تھا اس کی وجہ ان کی سیمابی طبیعت تھی۔ رات کا کھانا تقریباً شام پانچ بجے سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔ دعوت کو عام طور پر رد کرتے تھے، کہتے تھے کہ ''وہاں انتظار کرنا پڑتا ہے۔'' اور اتنا صبر قاضی صاحب میں تھا ہی نہیں۔ گھر میں بھی تو اس حالت میں کوئی بدکلامی نہیں کرتے تھے۔ اس حالت میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اکثر سگریٹ پیتے اور بہت زیادہ پیتے تھے۔ مجھے ان کی اس عادت سے سخت نفرت تھی۔ قاضی صاحب ایک اچھے ہمسفر ایک اچھے دوست کی طرح ہمارے ساتھ رہے ہیں۔ انھوں نے ہمیں کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔[1]

مذہب پر قاضی صاحب کو پختہ یقین تھا انھیں سرورِ کائنات فخر دوعالم محمد مصطفیٰؐ کے تئیں گہری عقیدت تھی اور اسی ایمان کی بدولت اُن میں خودداری اور خوداعتمادی کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا۔ ان کی اہلیہ بتاتی ہیں کہ قاضی صاحب کو دین و مذہب پر پورا یقین تھا۔ صبح کی نماز روز پڑھتے تھے۔ خاص طور پر جمعہ کی نماز باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ روزے کبھی کبھی رکھتے تھے۔ گھر میں وہ اکثر کوئی نعت شریف پڑھتے اور بہت زیادہ رونے لگتے تھے۔ اس بارے میں ان کی اہلیہ سکینہ زہرا صاحبہ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ قاضی صاحب میں اور بیٹا داؤد سب عمرہ کرنے کے لیے چلے گئے۔ وہ وہاں اتنا روئے کہ آس پاس کے تمام لوگ جمع ہوگئے[2] قاضی صاحب ایک اچھے انسان، نیک اور ایماندار شخص تھے۔ مذہب کی بحث میں کبھی نہیں الجھتے تھے۔ اس بارے میں پروفیسر محمد امین اندرابی صاحب نے لکھا:

> ''قاضی صاحب کے مذہبی معتقدات کس طرح کے تھے یہ مجھے معلوم نہیں ہے میری موجودگی میں انھوں نے مذہب کے بارے میں کبھی کوئی بات نہیں کی ہے۔ چہ جائیکہ مذہبی بحث کی ہو۔ اس معاملے میں وہ

---

[1] یہ تمام باتیں دوران گفتگو ان کی اہلیہ بیگم قاضی صاحبہ سے معلوم ہوئیں۔ انھوں نے اپنا ذاتی مکان حیدرپورہ میں بنایا ہے اس وقت آپ وہیں پر رہتی ہیں۔ باقاعدہ پینشن ہونے سے پہلے ہی آپ نے ملازمت سے سبکدوشی اختیار کی۔

[2] یہ واقعہ گفتگو کے دوران ان کی اہلیہ بیگم قاضی نے بیان کیا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے ہی قبیل کے ایک مشہور شاعر اکبر الٰہ آبادی کے اس شعر پر عامل تھے۔

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

لیکن یہ بات بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ خدائے قادر و عادل پر انھیں پختہ ایمان تھا اور اسی ایمان کی بدولت انھیں خود داری اور عزت نفس کی وہ نعمت ارزانی ہوئی تھی کہ زندگی میں کسی کے سامنے نہ جھکے اور نہ کسی بڑی شخصیت سے کبھی مرعوب ہوئے۔''[1]

اولاد

قاضی غلام محمد اولاد کے معاملے میں خوش قسمت واقع ہوئے۔ ان کے دو بچے ایک بیٹا داؤد اور بیٹی فوزیہ صنوبر ہیں۔ دونوں نے ریاضی میں ایم، اے کیا اور محض اپنی قابلیت کے بل بوتے پر دونوں کو یکے بعد دیگرے امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں ریسرچ کے لیے وظیفہ ملا۔ دونوں نے پی، ایچ، ڈی کی۔ اور اب پڑھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر داؤد سعودی عرب کی کنگ فیصل یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر شعبۂ ریاضی میں پڑھا رہے ہیں۔ان کی شادی قاضی صاحب نے اپنی حیات میں ہی غلام نبی بزہ (کنٹھ) صاحب کی بیٹی سے کی۔ ان ایّام میں قاضی

---

[1] گلالہ۔ پروفیسر محمد امین اندرابی۔ صفحہ ۲۹۔۳۸۔ جلد ۱۰، سال ۲۰۰۰ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

صاحب اپنے ایک تاجر دوست غلام حسن کے مکان میں بٹوارہ میں مقیم تھے۔ صاحبزادے کی شادی انھوں نے اسی مکان میں کی۔ کنٹھ خاندان سے قاضی صاحب کے دوستانہ تعلقات تھے جو انھوں نے رشتہ داری میں بدل لئے۔ داؤد صاحب کے دو بچے ہوئے اس وقت آپ کی ساری Family سعودی عرب میں ہے۔[1] قاضی صاحب کی بیٹی ڈاکٹر فوزیہ اسوقت (Syracuse New York) میں ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد بحیثیت پروفیسر شعبہ ریاضی میں پڑھا رہی ہیں۔ آپ نے اپنی ذہانت اور قابلیت کے بل بوتے پر اونچا مقام حاصل کیا۔ ابھی آپ کی شادی نہیں ہوئی۔ جب میں قاضی صاحب کے بچوں سے ملی تو انھوں نے قاضی صاحب کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں۔ بحیثیت والد قاضی صاحب نہایت ہی اچھے، محبت وشفقت سے بھرپور انسان تھے۔ قاضی صاحب بڑے نرم مزاج انسان تھے۔ وہ ہر ایک سے بڑی خوش دلی سے ملتے۔[2] بچوں سے بے حد پیار کرتے خواہ وہ بچے اپنے ہوں یا دوسروں کے۔ بحیثیت والد کے وہ اپنے بچوں کے لیے دنیا کے سب سے اچھے باپ رہے۔ ان کے بچوں نے مجھے بتایا کہ ایسے والد شاید ہی کسی کو ملیں۔ ہماری تھوڑی سی بیماری پر وہ تڑپ اٹھتے تھے۔ انھوں نے شاید ہی ہمیں کبھی ڈانٹا ہو۔ دنیا کی بہترین سے بہترین کتابیں ہمیں لاکر دیتے تھے۔ ان کو مطالعے کا شوق بہت زیادہ تھا۔ ہر وقت مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ یہ شوق ہم

---

[1] یہ اس وقت کی بات ہے جب میں یہ کتاب لکھ رہی تھی۔ اب ڈاکٹر داؤد اپنی علالت کی وجہ سے کشمیر لوٹ آئے ہیں اور کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ ریاضی میں بحیثیت ریڈر کام کر رہے ہیں۔

[2] یہ تمام باتیں ڈاکٹر داؤد صاحب نے دورانِ گفتگو بتائیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دونوں میں بھی انھوں نے پیدا کیا۔ ابتدائی تعلیم کی شروعات ہم نے اپنے گاؤں کے ایک استاد سے کی۔ قاضی صاحب نے ہمیں کبھی نہیں پڑھایا۔ اتنا صبر ان میں تھا ہی نہیں کیونکہ ان کی طبیعت سیمابی تھی ہاں ہماری والدہ صاحبہ کبھی کبھی ہمیں پڑھاتی تھیں۔[1]

پروفیسر قاضی غلام محمد سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی سادگی سے گزاری اور دنیا پرستی سے ہمیشہ دور رہے۔ قاضی صاحب نے اپنی حیات میں اپنا ذاتی مکان نہیں بنایا بلکہ اپنے بچوں کو ہی Property سمجھتے رہے۔ زندگی بھر محنت کر کے انھوں نے جو جائیداد بنائی وہ ان کے دو بچے تھے۔ ڈاکٹر داؤد اور ڈاکٹر فوزیہ۔ قاضی صاحب نے ان کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ پروفیسر محمد زماں آزردہ لکھتے ہیں:

> ''قاضی صاحب نے دنیاوی دولت کے حصول پر ہمیشہ اپنے بچوں کی تربیت کو ترجیح دی۔ دونوں یعنی ڈاکٹر داؤد اور ڈاکٹر فوزیہ کو ریاضی میں ہی تعلیم دلائی۔ ان کے انجینئرنگ میں داخلے کی جب بات آئی تو قاضی صاحب راضی نہ ہوئے۔ اور دونوں کو ریاضی کی اعلیٰ تعلیم دلائی اور خود ان کی تعلیم و تربیت میں ایسی دلچسپی لی کہ اطمینان حاصل کرلیا۔''[2]

بحیثیت والد کے قاضی صاحب نہایت ہی اچھے، محبت و شفقت سے بھرپور انسان تھے۔ انھوں نے اپنی تمام جمع پونجی اپنے بچوں کی تعلیم پر صرف کی۔ بچوں

---

[1] یہ تمام باتیں دوران گفتگو ڈاکٹر فوزیہ صاحبہ سے معلوم ہوئیں

[2] گلالہ۔ پروفیسر محمد زماں آزردہ، صفحہ ۱۷۔۱۸ جلد ۱۰۔ سال ۲۰۰۰ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے قاضی صاحب بہت پیار کرتے تھے۔ یونیورسٹی کے قیام کے زمانے میں سب بچے قاضی صاحب کو قاضی انکل کہہ کر پکارتے اور کبھی کبھی قاضی صاحب ان بچوں سے کھیلتے تھے۔ بلیاں پالنے کا شوق قاضی صاحب کو بہت زیادہ تھا۔ ان پر قاضی صاحب نے بہت اچھی مزاحیہ نظمیں بھی لکھی ہیں۔

قاضی صاحب نہ صرف ایک اچھے والد تھے بلکہ ایک اچھے استاد بھی رہے ہیں۔ قاضی صاحب طالب علموں سے بہت پیار کرتے۔ ذہین طالب علموں کی حوصلہ افزائی کرتے۔ قاضی صاحب ہمیشہ طالب علموں سے دوستانہ رویہ سے پیش آتے۔ غریب طالب علموں کی ہر طرح مدد کیا کرتے تھے۔ ان کا رویہ طالب علموں کے ساتھ بہت اچھا رہتا۔ اس وجہ سے طالب علموں کو بھی قاضی صاحب سے بہت محبت تھی۔ طالب علم بھی بے حد احترام کرتے تھے اور اکثر و بیشتر آپ سے صلاح و مشورہ کیا کرتے۔ قاضی صاحب کے اپنے بچے بھی ان کے طالب علم رہے ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر داؤد صاحب سے جب میں نے پوچھا تو انھوں نے بتایا بحیثیت استاد کے قاضی صاحب کا طالب علموں کے ساتھ رویہ بہت اچھا تھا۔ وہ طالب علموں کو اپنے بچوں کی نگاہ سے دیکھتے۔ ہر ایک کے ساتھ ان کا برتاؤ یکساں رہتا۔ محنتی طالب علموں کو وہ بہت زیادہ چاہتے اس وجہ سے تقریباً تمام طالب علم ان کے مداح تھے۔ شاید ہی کسی طالب علم نے ان کی کلاس Miss کی ہوگی۔ انھیں بھی اپنی کلاس کا بے صبری سے انتظار رہتا۔ صبح کی پہلی کلاس قاضی صاحب کی ہی ہوتی۔ ہم بھی ان کی کلاس میں ہوتے تھے۔ ہماری موجودگی سے ان کی Performance میں کسی قسم کی تبدیلی کبھی دیکھنے میں نہ آئی۔ اکثر طالب علم ان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے دوست بھی تھے۔ انھوں نے ایسے بہت سے طالب علموں کی ذاتی مدد کر کے ان کو اعلیٰ مقام تک پہنچایا۔[1]

پروفیسر قاضی غلام محمد ایک ادیب، شاعر، مزاح نگار مصور اور ایک ریاضی داں تھے۔ کلاس میں ریاضی پڑھاتے پڑھاتے اکثر شاعری اور ریاضی کا آپس میں موازنہ کیا کرتے تھے۔ اس بارے میں ڈاکٹر داؤد صاحب نے بتایا کہ وہ عموماً کلاس میں غالبؔ کے اشعار اور ریاضی کے اصولوں کا موازنہ کرتے تھے۔ ان کے شعری اور ادبی رجحان اور ریاضی کے اصول وضوابط میں کبھی کسی ٹکراؤ کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ قاضی صاحب تقریر بڑی عمدہ کرتے تھے۔ عموماً اشعار ان کی زبان پر ہوتے۔ غالبؔ کی شاعری کو سمجھانے کے لیے وہ کبھی کبھی ریاضی کا سہارا لیتے تھے۔ قاضی صاحب کا تعلق علم ریاضی سے تھا اور انھوں نے اپنی عمر عزیز اسی کی درس وتدریس میں گزاری۔

مشغلے

قاضی صاحب وادی کے مستند اور مشہور ومعروف ریاضی دان رہے ہیں۔ بین الاقوامی رسائل میں ان کے مقالے Papers شائع ہوگئے ہیں۔ ریاضی جیسے خشک مضمون کے ساتھ ساتھ ان کے کئی مشغلے تھے۔ اس بارے میں مجھے ان کی بیٹی سے معلوم ہوا کہ قاضی صاحب کو کھیلوں سے کافی دلچسپی تھی۔ کرکٹ، کشتی، تیز چاقو

---

[1] یہ تمام باتیں ڈاکٹر داؤد صاحب نے دورانِ گفتگو بتائیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور Amarican Wild West کے علاوہ شکار سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ اس پر انھوں نے بہت ساری کتابیں جمع کرلی تھیں۔ اس کے علاوہ Short Out کے مقابلے بہت شوق سے دیکھتے تھے۔ موسیقی میں پہاڑی موسیقی (ملکہ پکھراج کی) کشمیری صوفیانہ موسیقی اور غزلیں بھی بہت پسند کرتے تھے۔[1] پروفیسر محمد امین اندرابی صاحب اس بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''قاضی صاحب کی دلچسپیاں متنوع قسم کی تھیں۔ ریاضی تو خیر ان کا بنیادی مضمون تھا اور ایک لحاظ سے پیشہ بھی اس میں ان کی مہارت کا ہر ایک قائل تھا، لیکن اس بظاہر خشک مضمون کے ساتھ ساتھ انھیں شاعری اور دوسرے کئی فنون لطیفہ سے بھی گہرا شغف تھا۔ اچھی موسیقی اور اچھی آواز کے دلدادہ تھے۔ بیگم اختر کی ٹھمریوں مہدی حسن اور غلام علی کی گائی ہوئی غزلوں کے کیسٹ بڑے شوق سے سنتے تھے۔''[2]

طرزِ گفتار

قاضی صاحب بہت اچھے ماہر گفتگو (Coversationalist) تھے۔ ان کی گفتگو ہمیشہ دلچسپ ہوتی تھی۔ اور ہر محفل میں جان ڈال دیتی تھی۔ اس پر ان کی اہلیہ بتاتی ہیں کہ قاضی صاحب گھر میں بھی اچھی گفتگو کیا کرتے تھے۔ ہم سب

---

[1] یہ تمام باتیں ان کی بیٹی ڈاکٹر فوزیہ اور ان کی اہلیہ سے معلوم ہوئیں۔

[2] گلالہ۔ پروفیسر محمد امین اندرابی مرحوم، صفحہ ۲۷، جلد ۱۰ سال ۲۰۰۰ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑے غور اور دلچسپی سے سنتے تھے۔[1] اس بارے میں پروفیسر محمد امین اندرابی لکھتے ہیں:

''قاضی صاحب کی ہر بات میں ایک بات ہوا کرتی تھی۔ کوئی اچھوتا پہلو کوئی نادر نکتہ، میں نے اکثر انھیں اپنے شعبے کی سیمناروں میں مدعو کیا، لیکن سوائے دو ایک مرتبہ کے انھوں نے ہمیشہ مضمون وغیرہ لکھنے سے معذرت کی۔ میرے خیال سے اس کی دو وجوہ تھیں، ایک ان کی تساہل پسندی جو اکثر ذہین لوگوں میں پائی جاتی ہے ایسے لوگ بہت اچھے (Coversationalist) ہوتے ہیں۔''[2]

قاضی صاحب نہایت ملنسار، خلیق، خوش طبع اور دوست نواز انسان تھے۔ دوستوں سے انھیں کافی لگاؤ تھا۔ قاضی صاحب کو انسان اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے بے حد پیار تھا ان کی ہمدردیاں شروع ہی سے غریب اور مظلوموں کے ساتھ رہیں۔ قاضی صاحب کی شخصیت بے حد متاثر کرنے والی تھی۔ قاضی صاحب اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے قاضی صاحب نے اپنے چاہنے والوں کا ایک وسیع حلقہ بنا رکھا تھا ان کے مداح اور احباب نہ صرف کشمیر میں ہیں بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی ان کے ہزاروں مداح موجود ہیں۔ قریبی دوستوں میں یونیورسٹی کے کچھ Colleagues تھے اور کچھ طالب علمی کے زمانے میں دوست تھے ان کے کالج کے زمانے میں خاص جگری دوست غلام حسن تھے جن سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ اس بارے میں پروفیسر محمد

---

[1] یہ تمام باتیں ان کی اہلیہ نے بتائیں

[2] گلالہ۔ پروفیسر محمد امین اندرابی۔ جلد ۱۰۔ سال ۲۰۰۰ء صفحہ ۲۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

زماں آزردہ نے لکھا ہے:

''قاضی صاحب کی زندگی کے آخری ایام بظاہر نہایت اطمینان اور سکون سے گزرے مگر یونیورسٹی کے بعض قوانین نے اس اطمینان اور سکون کو کسی قدر ہلا کے رکھ دیا۔ خاص طور پر اس وقت جب انھیں مکان خالی کرنے کا حکم نامہ ملا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یونیورسٹی میں جن لوگوں نے آٹھ دس سال بھی کام کیا۔ انھوں نے قریب ہی کہیں نہ کہیں ذاتی مکان تعمیر کرلیا مگر قاضی صاحب کو یہ فکر کبھی لاحق نہیں ہوئی۔ بہرحال ایسی پریشانی میں کئی دوستوں نے ان کو مکان کی پیشکش کی، چنانچہ میں نے بھی گذارش کی کہ ہمارا مکان خالی ہے آپ جب چاہیں اس میں منتقل ہوسکتے ہیں مگر قاضی صاحب نے اپنے ایک تاجر دوست غلام حسن کے مکان کا انتخاب کیا۔''[1]

قاضی صاحب دوستوں سے بہت محبت کرتے اور ہر دوست کی فرمائش دل سے قبول کرتے۔ کشمیر سے باہر مغربی ممالک میں بھی اپنے حسنِ اخلاق سے دوستوں کا وسیع حلقہ بنالیا تھا۔ قاضی صاحب اور ذکی صاحب آپس میں گہرے دوست تھے جن دنوں قاضی صاحب امریکہ میں تھے اسی دوران ذکی صاحب نے ڈاکٹر عروج اختر زیدی کو قاضی صاحب کے بارے میں بتایا۔ ڈاکٹر عروج اختر زیدی صاحب سے قاضی صاحب کی ملاقات خطوط کے ذریعہ زیادہ ہے۔ قاضی صاحب کے دوسرے مجموعہ کلام ''حمامِ بادگرد'' کے پیش لفظ میں ڈاکٹر عروج زیدی

---

[1] گلالہ۔ پروفیسر محمد زماں آزردہ جلد ۱۰، سال ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

صاحب نے لکھا ہے:

''قاضی صاحب سے میری شناسائی بیسویں صدی کے آخری دہائی میں ہوئی جب وہ اپنی زندگی کی آخری جنگ لڑنے اپنے بچوں کے پاس Syraguseny آئے ہوئے تھے۔ میں اس شناسائی کے لیے ڈاکٹر محمد ذکی مرحوم کا مرہون منت ہوں۔ غالباً ۱۹۹۰ء کی بات ہے کہ ذکی بھائی نے مجھے مژدہ سنایا کہ ''قاضی صاحب کشمیر سے ان دنوں امریکہ آئے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے ان کا تعارف کرادیا اور آپ کے ذوق فارسی کا بھی! آپ ان کو ٹیلی فون کر لیجیے وہ منتظر ہوں گے۔ اس کے بعد یہ معمول ہوگیا کہ ہفتہ میں ایک بار ان سے گفتگو رہتی۔ یہ گفتگو اتنی فکر انگیز اور بصیرت افروز ہوتی کہ محسوس یہ ہوتا تھا کہ ہم اچانک کسی دانشگاہ میں فارسی کے کلاسیکی ادب پر لکچر سن رہے ہیں۔''[1]

قاضی صاحب نے درس و تدریس کے میدان میں نام کمایا بلکہ اپنے ظریفانہ کلام سے کتنی ہی ادبی محفلوں کو اپنی خوشبو سے معطر کر دیا۔ انگنت تحقیقی مجالس میں دوستوں اور محققوں کو اپنے تبحر علم سے سیراب کیا۔ یہی وہ شخصیت تھی جس نے کشمیر یونیورسٹی کو ہی نہیں بلکہ بلا تردید، ریاضی کو دنیا کی صفر پر تحقیقی مقالہ (Theory) دے کر علم ریاضی میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا لیکن ہم اس مہکتے گلاب کی خوشبو تک کو نہیں سونگھ سکے۔ البتہ اس کی امریکہ میں خوب پذیرائی ہوئی۔

---

[1] ''حمام بادگرد'' قاضی غلام محمد ۲۰۰۰ء دیباچہ عروج اختر زیدی صفحہ ۱۱۔۱۳

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ملازمت

قاضی غلام محمد نے ریاضی میں ایم، اے کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں حکومت اتر پردیش کی فراہم کردہ ایک ریسرچ اسسٹنٹ کی جگہ پر کام کیا۔ یہ ریسرچ پروجیکٹ ڈاکٹر جمیل احمد صدیقی کی نگرانی میں چل رہا تھا اس پروجیکٹ (Project) کا عنوان Greneralized Quasi Analicity تھا اسی درمیان انھوں نے شعبہ ریاضی میں کچھ ٹٹوریلز (Tutorials) پڑھائے۔

اس کے فوراً بعد یعنی ۱۹۵۸ء میں کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ ریاضی میں ان کا تقرر لکچرر کی حیثیت سے ہوا۔ ۱۹۶۱ء میں امریکہ کی طرف سے ان کو ایک فیلوشپ ملی۔ اس فیلوشپ میں گزارے کے لیے وظیفہ کے علاوہ سفر کے اخراجات بھی منظور ہوئے تھے۔ یہ بات پہلے ہی کہی جا چکی ہے کہ قاضی صاحب اپنی والدہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اس زمانے میں ان کی والدہ کی طبیعت ناساز تھی اور اسی سبب سے قاضی صاحب امریکہ کی اس پیشکش سے استفادہ نہ کر سکے۔ قاضی صاحب بعد میں اسی شعبۂ ریاضی میں ریڈر ہوئے اور اس کے بعد پروفیسر۔ ۱۹۹۵ء میں وظیفۂ حسنِ خدمت پایا۔ یونیورسٹی نے ان کے ریٹائرمنٹ کے بعد ایک ڈیڑھ سال تک ان کی ملازمت میں توسیع کر کے ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔

کشمیر یونیورسٹی کی نوکری کے دوران قاضی صاحب مختلف کمیٹیوں (Committees) کے ممبر رہے۔ بورڈ آف سٹڈیز (Board of Studies) کے ممبر اور پھر کنوینر رہے۔ شعبہ ریاضی کے صدر رہے۔ اکیڈیمک کونسل اور یونیورسٹی کونسل

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے ممبر رہے۔۔ قاضی صاحب چند برس یونیورسٹی میں چیف وارڈن اور چیف پراکٹر بھی رہے۔اس دوران قاضی صاحب نے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا کہ اپنے کسی ایک شاگرد انجینئر سے کہہ کر یونیورسٹی کے لیے بجلی کی ایک الگ ٹرانسمیشن لائن (Transmission Line) بچھوادی۔ یہی وجہ ہے کہ یونیورسٹی کے ہوسٹل اور رہائشی مکانوں میں کسی رکاوٹ کے بغیر ہمیشہ بجلی فراہم رہتی ہے۔ اسی بہانے ریجنل انجینئرنگ کالج کو بھی بغیر کسی رکاوٹ کے بجلی ملنے لگی۔

قاضی صاحب ریاستی کلچرل اکادمی کی مشاورتی کمیٹی کے رکن بھی رہے۔ غرض یونیورسٹی کی سروس کے دوران نہ صرف یونیورسٹی کے کام کیے بلکہ دوسرے اداروں سے بھی وابستہ رہے جو کام بھی ان سے متعلق ہوتا تھا۔اسے پوری دیانت داری سے انجام دیتے۔اس پر پروفیسر محمد امین اندرابی مرحوم لکھتے ہیں:

> ''قاضی صاحب وقت پر کلاس لیتے تھے اور اپنے تدریسی کیریر میں کبھی کوئی کلاس Miss نہیں کی۔ غیر تدریسی کام بھی اسی دیانت داری سے انجام دیتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ یونیورسٹی کے لیے کوئلے کی خریداری کا کام ان کے سپرد کیا گیا، تو قاضی صاحب کی حالت ان دنوں قابل دید تھی شہر کے مختلف کوئلہ بیوپاریوں سے رابطہ قائم کرنا، کوئلے کے نمونے جمع کرنا پھر ان کا لیبارٹری میں ٹیسٹ کرانا، ملاوٹ کی مقدار کا تخمینہ لگوانا اور آخر میں اپنے سامنے کوئلہ ٹرکوں میں بھروانا اور ان کا وزن کرانا۔ یہ سب بڑا ہی جوکھم کا کام ہے، لیکن قاضی صاحب نے یہ ساری محنت ہنسی خوشی برداشت کی اور اس سال کوئلہ کے بارے میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کہیں سے کوئی شکایت سننے میں نہیں آئی۔ اس دوران ایک بار ملے تو
میں نے کہا آپ کو اس جوکھم میں پڑنے کی ضرورت کیا تھی کہنے لگے
خیر، اب جو ہوا سو ہوا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کام میں بھی سرخروئی
نصیب ہوئی ورنہ اس میں بڑے بڑوں کا منہ کالا ہوتے دیکھا ہے۔''[1]

پروفیسر قاضی غلام محمد نہایت ملنسار، خلیق، خوش طبع اور دوست نواز انسان تھے۔ وہ ہر کام پوری ایمانداری سے نبھاتے تھے۔ یہی تعلیم انھوں نے اپنے بچوں کو بھی دے دی۔ اس بارے میں ان کی بیٹی ڈاکٹر فوزیہ صاحبہ بتاتی ہیں۔ قاضی صاحب نے ہمیں پہلی تعلیم نیکی، سادگی، خلوص، محبت اور ایمانداری کی دی۔[2]

سفر

قاضی صاحب یوں تو سفر سے گھبراتے تھے مگر اللہ نے ان کی زندگی میں بہت زیادہ سفر لکھا تھا۔ اول تو ایک ربع صدی تک اسلام آباد اور سری نگر کا سفر روز کرتے رہے اس بارے میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مرحوم نے لکھا ہے:

''اننت ناگ کو اسلام آباد بھی کہتے ہیں اور یہ سری نگر سے تقریباً ۳۴
میل کے فاصلے پر ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ قاضی صاحب کو

---

[1] گلالہ۔ پروفیسر محمد امین اندرابی مرحوم ۳۲۔۳۳ء جلد ۱۰۔ سال ۲۰۰۰ء

[2] یہ باتیں دوران گفتگو ان کی بیٹی ڈاکٹر فوزیہ صاحبہ نے بتائیں جو ان دنوں امریکہ سے کشمیر آئی ہوئی تھیں انھوں نے اپنا ذاتی مکان حیدر پورہ میں بنوایا ہے، وہیں ان سے ملاقات ہوئی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اس سے اتنی محبت ہے کہ روز ۶۸ میل کا سفر کرتے ہیں مگر سری نگر
میں قیام پسند نہیں۔"[1]

بس کا یہ سفر قاضی صاحب کی زندگی میں کافی اہمیت رکھتا ہے اس بارے میں عروج اختر زیدی لکھتے ہیں۔

"مرحوم نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ روزانہ اننت ناگ سے سری نگر کا سفر اسی لیے کرتے تھے کہ ان نظاروں کو اپنے اندر اتار لیں اور جب تک مشاہدہ یہ کیمیائی عمل انجام نہیں دیتا کوئی شاعر اس قسم کا شعر نہیں کہہ سکتا۔

صدیوں کی گودوں کے پالے ہر گام پہ وہ حیرت خانے
پتھرائی ہوئی آنکھوں کی طرح دیواروں کے پتھر ہیں میاں
ان گلیوں میں ملتے ہیں گلے گلرنگ اجالے بھور بھئے
دلچسپ اندھیرے شام پڑے موزوں پر صورت گر ہیں میاں[2]

اس سفر کے تمام ہم سفروں سے دوستانہ تعلق بھی تھا ان کے لیے بس میں ہمیشہ فرنٹ سیٹ مقرر ہوتی تھی۔ بس میں بھی قاضی صاحب کی گفتگو بڑی دلچسپ ہوتی تھی اس بارے میں سید رسول پونپر صاحب نے اپنی کتاب "پوت نظر" میں لکھا ہے:

قاضی صأبنہِ باپتھ اُس فرنٹ سیٹ رِیزرو آسان۔ مَنٛزٕ اُس میٚنہِ سُفأرشی سیٹ میلان۔ سُہ اوس مَنٛزی اورٕ کُن اِشارٕ کران بَڈٕ اعتمادٕ سان وَنان زِ اگر ہَسأبہٕ خدامہٕ کرِن الیکشنس وۄتھ کے، ایم، ڈی ایسوسی ایشن زینہٕ راوِ مےٚ ضرور۔

---

[1] ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، ماہنامہ "تعمیر" اگست تمبر ۱۹۶۲ء جلد ۷، شمارہ ۴۔ صفحہ ۱۸

[2] سید رسول پونپر "پوت نظر" صفحہ ۱۹۱ سال ۲۰۰۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ترجمہ: قاضی صاحب کے لیے فرنٹ سیٹ ریزرو ہوتی تھی۔ کبھی کبھی مجھے بھی سفارشی سیٹ ملتی تھی۔ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ کہتے تھے کہ اگر میں نے کبھی خدانہ کرے الیکشن لڑا تو کے ایم ڈی ایسوسی ایشن مجھے ضرور کامیابی دلائے گی۔

قاضی صاحب نے دہلی کا سفر کئی بار کیا۔ بیرون ملک کئی بار سفر کرنا پڑے۔ امریکہ کا انھوں نے دوبار سفر کیا اور ایک بار عمرہ کرنے کے لیے مکہ اور مدینہ کا بھی سفر کیا۔

سفر آخرت

۱۹۹۸ء میں انھوں نے امریکہ کا سفر کیا اور یہ ان کا آخری سفر ثابت ہوا۔

وفات

قاضی صاحب نے اپنی زندگی کا سفر اپنے آخری دنیاوی سفر کے ساتھ ہی تمام کردیا۔ وہ امریکہ میں ہی تھے کہ ان کی بیماری، سرطان نے اپنا آخری وار کرلیا اور وہیں کی زمین میں سپرد خاک ہوئے۔ چنانچہ ان کی جراحت امریکہ میں ہی ۱۶/مئی ۱۹۹۸ء میں Johns Hopkins Hospital in Baltimore Mrryland میں ہوئی تھی۔ قاضی صاحب کو علم وادب سے اس قدر لگاؤ تھا کہ بقول ڈاکٹر فوزیہ صاحبہ، ان کو مطالعہ سے اس حد تک لگاؤ تھا کہ دوران علالت بھی وہ بہت مطالعہ کیا کرتے اور عموماً فون پر اپنے دوستوں کو شعر وشاعری خاص طور پر غالبؔ کے اشعار

---

۱ ''پوت نظر'' سید رسول پونپر، ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۹۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سمجھاتے رہتے تھے اور کبھی کبھی میرے ساتھ لائبریری بھی چلے آتے۔[1]

قاضی صاحب نے اپنی زندگی کے آخری ایام ایک اجنبی دیس میں گزارے۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ سکینہ زہرا اور بیٹی ڈاکٹر فوزیہ صاحبہ تھیں۔ اس بارے میں ان کی اہلیہ بتاتی ہیں کہ بستر مرگ پر بھی قاضی صاحب کو اپنے بچوں کی فکر تھی خاص طور سے وہ ان کی پڑھائی کے معاملے میں کافی فکر مند تھے۔ آخری وقت میں قاضی صاحب نے کسی بات کو لے کر ہم کو بہت ہنسایا۔ بقول فوزیہ صاحبہ ڈیڈی کو میں نے اتنا ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا اور آخر ۳؍فروری ۱۹۹۹ء کو امریکہ کے وقت کے مطابق دوپہر دو بجے انھوں نے Lexington park maryland میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور Southern Maryland islamic Centre mosque کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ قاضی صاحب نے ایک غزل بستر مرگ پر لکھی اس کا ایک شعر یوں ہے۔

میں نے موت کے گھر میں جا کر رقص کیا　　　پہلے کچھ مبہوت ہوئی پھر ناچی ساتھ

اس طرح قاضی صاحب ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوئے۔ قاضی صاحب نے کشمیری اور اردو ادب کو اپنی بہترین اور معیاری شاعری سے مالا مال کر دیا۔ اس بارے میں سید رسول پونپر صاحب نے اپنی کتاب ''پوت نظر'' میں لکھا ہے:

۳؍فروری ۱۹۹۹ء بۄدوارِ دوہ گوٚو قاضی صأب یِرا کیوٗسہٕ امریکاہس کینسرچہٕ بےٚ پٔتھ بیمارِ ہُند مقابلہٕ کران ییمہِ عالمہٕ۔ اِنَا لِلّٰہِ وَاِنَا اِلَیہِ رَاجِعُون ط وأصل بحق سپدن وِزِ أ ءِسس آشنٕ محترمہٕ سکینہ زہرا تتی شاندس پٮ۪تھ۔

---

[1] یہ تمام باتیں ان کی بیٹی ڈاکٹر فوزیہ صاحبہ سے دوران گفتگو معلوم ہوئیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

خدائے کرِن مرحومس قبر پُر نور، تہٕ تِہند بن شُر بن بأژن کرِن یہِ کڑُر دہ کھ
وبتراونہِ باپتھ صبرِ جمیل عطا۔

ترجمہ : ۳ فروری ۱۹۹۹ء کے دن قاضی صاحب سرا کیوس امریکہ میں کینسر کی بے بھروسہ بیماری کا مقابلہ کرتے ہوئے انتقال کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ واصل بحق ہوتے وقت ان کی اہلیہ محترمہ سکینہ زہرا، ان کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ خدا مرحوم کی قبر کو پُر نور کرے اور ان کے اہل وعیال کو یہ زبردست صدمہ برداشت کرنے کے لیے صبر جمیل عطا کرے۔[1]

قاضی صاحب کی وفات سے کشمیری اور اردو ادب کو بہت نقصان پہنچا۔ ان کی وفات پر تعلیمی اور ادبی حلقوں نے کئی دعائیہ مجالس کا اہتمام کیا اور اس عظیم شخصیت کی ادبی، علمی اور تعلیمی خدمات پر مذاکرے ہوئے۔ یہ تعزیتی مجالس نہ صرف وادی کشمیر میں ہوئیں بلکہ مغربی ممالک میں بھی اس عظیم شخصیت کے ادبی کارناموں کو اجاگر کیا گیا۔ اس بارے میں چند تعزیتی پیغامات جو اخبارات اور مختلف رسائل میں شائع ہوئے یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

ریاضی داں اور شاعر قاضی غلام محمد کا انتقال پُر ملال

ادبی اور تعلیمی حلقوں کو صدمہ۔ مرحوم کو زبردست خراج عقیدت

قاضی غلام محمد کے انتقال پر تعلیمی اور ادبی حلقوں نے اپنے گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب ہو اور لواحقین کو صدمہ برداشت کرنے کی توفیق ملے۔ ان حلقوں نے کہا کہ قاضی

---

[1] سید رسول پونپر ''پوت نظر'' صفحہ ۱۹۱، سال ۲۰۰۰ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

صاحب نے کشمیری اور اردو ادب کو اپنی بہترین اور معیاری شاعری سے مالا مال کیا ہے۔ ان کے مزاحیہ شعروں میں سماج کی جو عکاسی کی گئی ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔ قاضی صاحب نے نثر میں بھی اردو ادب میں بہترین فن پارے تحریر کیے ہیں۔ وہ ادبی حلقوں میں عزت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ مرحوم شاعروں کے روح رواں تصور کیے جاتے ہیں۔ اپنے مزاحیہ اور دلچسپ کلام سے انھوں نے ہمیشہ سامعین سے داد وصول کی ہے اور محفلوں کو لوٹنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ قاضی غلام محمد تعلیمی دنیا میں کافی نام کما چکے ہیں۔ وہ ریاضی کے چوٹی کے ماہرین میں شامل تھے۔ اس مضمون میں انھوں نے حیرت انگیز کارنامے انجام دیے ہیں۔ یونیورسٹی میں شعبۂ ریاضی میں انھیں ممتاز درجہ حاصل تھا۔ ریاضی کے کسی مشکل ترین سوال کا جب کسی کو جواب نہیں ملتا تو وہ قاضی صاحب کے پاس جا کر صحیح جواب حاصل کر لیتا۔''[1]

اظہار تعزیت

ادارہ کوثریہ ٹرسٹ کوثر آباد بانڈی پورہ مرحوم پروفیسر قاضی غلام محمد صاحب کے انتقال پر دل کی عمیق گہرائیوں سے اظہار تعزیت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین ثم آمین

محمد مقبول وانی

سیکریٹری ادارہ

---

[1] روزنامہ سرینگر ٹائمز۔ سری نگر، شمارہ ۶ فروری ۱۹۹۹ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر قاضی غلام محمد امریکہ میں انتقال کر گئے

داغ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

ریاست کے سرکردہ اسکالر، شاعر اور کشمیر یونیورسٹی میں شعبہ ریاضی کے سابق سربراہ پروفیسر قاضی غلام محمد چند یوم قبل امریکہ میں انتقال کر گئے۔ قاضی صاحب کے جسدِ خاکی کو امریکہ میں ہی مدفون کیا گیا۔ مرحوم کی رسم قل ۷/ فروری اتوار، صادق آباد متصل ہیڈ پوسٹ آفس اسلام آباد میں خواجہ محمد اقبال کین و برادران (برادر نسبتی) کی رہائش گاہ پر انجام پذیر ہوگی۔ رسم قل کے بعد مقتدر اصحاب علم، شعراء اور یونیورسٹی کے اساتذہ مرحوم پروفیسر قاضی غلام محمد کی ادبی، علمی اور تعلیمی خدمات پر روشنی ڈالیں گے۔

سوگواران : محمد اقبال کین و برادران
صادق آباد متصل ڈاکخانہ اسلام آباد[1]

---

[1] روزنامہ الصفا۔ سری نگر۔ ۶ فروری ۱۹۹۹ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر قاضی غلام محمد کی رسم قل اتوار کو اسلام آباد میں انجام دی جائیگی

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

ریاست کے سرکردہ سکالر، شاعر اور کشمیر یونیورسٹی میں شعبہ ریاضی کے سابق سربراہ پروفیسر قاضی غلام محمد چند یوم قبل امریکہ میں انتقال کر گئے۔ قاضی صاحب کے جسدِ خاکی کو امریکہ میں ہی مدفون کیا گیا۔ مرحوم کی رسم قل ۷/فروری بروز اتوار صادق آباد متصل ہیڈ پوسٹ آفس اسلام آباد میں خواجہ محمد اقبال کین و برادران (برادر نسبتی) کی رہائش گاہ پر انجام پذیر ہوگی۔ رسم قل کے بعد مقتدر اصحاب علم، شعراء اور یونیورسٹی کے اساتذہ مرحوم پروفیسر قاضی غلام محمد کی ادبی، علمی اور تعلیمی خدمات پر اظہار خیال فرمائیں گے۔

سوگواران : محمد اقبال کین و برادران
صادق آباد متصل ڈاکخانہ اسلام آباد[1]

---

[1] روزنامہ آفتاب سری نگر، ۶ فروری ۱۹۹۹ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر قاضی صاحب کی یاد میں تعزیتی جلسہ

سرکردہ ادیبوں نے خراج عقیدت پیش کیا

گذشتہ اتوار کو ریاست کے ممتاز شاعر اور ریاضی دان پروفیسر قاضی غلام محمد مرحوم کی یاد میں ان کے برادرِ نسبتی مقیم اسلام آباد کی رہائش گاہ پر ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ مرحوم پروفیسر حال ہی میں امریکہ ایک شہر میں انتقال کر گئے تھے اور انھیں امریکہ میں ہی سپرد خاک کیا گیا تھا۔ تعزیتی اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی کے ریڈر ڈاکٹر بشیر احمد نحوی نے پروفیسر قاضی غلام محمد کی ہمہ پہلو شخصیت پر روشنی ڈالی۔ اور ان کے اشعار کے تناظر میں ان کا ادبی اور علمی مقام متعین کیا۔ تعزیتی جلسے میں کشمیر یونیورسٹی سے وابستہ جن سرکردہ شخصیتوں نے قاضی صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا۔ ان کے اسمائے گرامی ہیں: پروفیسر سکندر فاروق، پروفیسر صوفی محمد امین، پروفیسر شفیع شوق، ڈاکٹر افضل قادری وغیرہ ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اظہارِ تشکر

ہم اُن تمام جم رشتہ داروں، دوستوں، یونیورسٹی کے پروفیسروں، ادبی انجمنوں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذمہ داروں اور تمام سوگواروں کا تہہ دل سے بذریعہ اخبار شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے ہمارے قابل احترام بہنوئی پروفیسر قاضی غلام محمد کی وفات پر ہمارے گھر آکر بذریعہ ٹیلی فون اظہار تعزیت کیا اور مصیبت کے لمحات میں ہماری ڈھارس بندھائی اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے اور ہمیں ہر وقت صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد اقبال کین، پروفیسر شوکت اعجاز کین
جلیل احمد کین، صادق آباد اسلام آباد

یہ تو وہ قراردادیں تھیں جو انجمنوں اور اداروں کی طرف سے منظور کی گئیں اور پریس میں انھیں شائع کیا گیا۔ اس کے علاوہ ایسے بیسیوں تعزیتی پیغامات ہیں جو انفرادی سطح پر لوگوں نے قاضی صاحب کی اہلیہ ان کے صاحبزادے اور ان کی صاحبزادی کے پاس بھیجے ہیں۔ ان میں سے چند پیغامات کے اقتباسات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

Remembering Qazi Ghulam Mohd.

Prof. Qazi Ghulam Mohd. Expired at

5.30P.M.(st) on febuary 3 at Washington (U.S.A) I Pray to Allah to Give Peace to Prof. Qazi and Courage and Fortitude to His Heirs (Ameen)

from: Ghulam Nabi Hagroo

Dear Fozia

My Deepest Sympathy to you, Your Mother, your brother and others close to your father, It was a Rewarding exp-erience for me to get know your father nd discover his deep commitment to Mathematics

from: Lawrence J.Lardy

monday, February. 08 1998, 8.49, p.m

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

Dear Fozia

Please accept my heart felt con- dolences on the dad and untimely Demise of your learned father he belonged to the intellectual elite of his century and that's where he is tonight..... wirth time!

From: Zaidi

to :Fozia Qazi

dated: Thursday february 4-1997 10 p.m

Subject : Qazi Sahib Marhoom

غرض علمی اور ادبی حلقوں میں کم وبیش سبھی ممتاز شخصیتوں نے قاضی صاحب کے انتقال پر رنج و ملال کا اظہار کیا۔ یہ اصل میں قاضی صاحب کی سنجیدہ علمی اور ادبی خدمات کا ثمرہ تھا کہ اپنے وطن عزیز سے بہت دور انتقال کرنے اور دفن ہونے کے باوجود یہ المناک خبر فوراً ہی دور دور تک پہنچی اور لوگوں نے ان کو اپنے اپنے انداز میں خراج عقیدت پیش کیا اور ان کے اہل خانہ دوستوں، عزیزوں اور جاننے والوں سے تعزیت کی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

باب دوم

پروفیسر غلام محمد

کی نثر نگاری

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

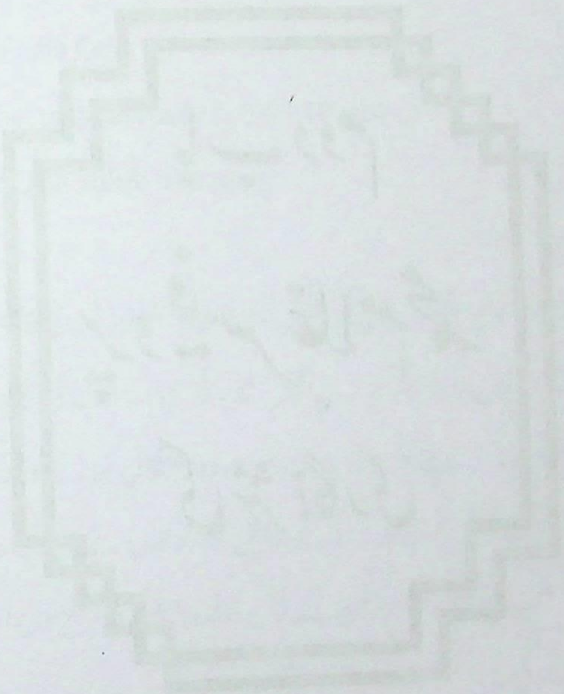

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گنگ وجمن کے ساحلوں سے ابھرنے والی اردو زبان کی خدمت میں جہاں دکن کے نشیبی علاقوں نے اپنی محبت اور دلچسپی کے مظاہرہ کیا، وہاں بلندیوں پر آباد اس وادیٔ گلپوش جنت کشمیر نے اس کے دامن کو ایسے پھولوں سے سجایا جن کی مہک پر یہ زبان ہمیشہ ناز کرے گی، یہی وجہ ہے کہ آج کوئی عروسِ اردو کے قریب ہوکر اسکا سراپا بیان کرنے کی کوشش کرے تو جہاں اس کی رگوں میں وادیٔ گنگ وجمن کا لہو دوڑتا نظر آئے گا وہاں تو کشمیر کے کوہساروں کے وقار اور ٹھنڈک کا احساس ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی مانگ میں بلندیوں پر چمکنے والے ستارے، یہاں کے آبشاروں کی صفائی اور روانی اور گیسوؤں میں یہاں کے پھولوں کی مہک ضرور ملے گی۔آج جو اس دلہن کے مستقبل کے بارے میں سوچے گا اور اس کی طرف محبت، خلوص اور دلچسپی سے دیکھے گا وہ اس کے چہرے میں کشمیر کے پھولوں کی تازگی اور شگفتگی محسوس کرے گا۔ ملک بھر میں اردو کے تئیں موجودہ رویہ برقرار رہا تو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وہ دن دور نہیں جب اردو بعض اور پھولوں کی طرح گلستان کشمیر ہی کو اپنا مستقل مسکن بنائے گی۔ اردو زبان کے سرمایۂ حسن میں جو اضافہ یہاں کے لوگوں نے کیا وہ محتاجِ تعارف نہیں۔

ریاست جموں وکشمیر میں اردو نثر کی شروعات کوئی سوسوا سو سال پہلے ہوئی۔ یہ بات بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ پنجاب میں اردو کے فروغ کا خاصا اثر وادیٔ کشمیر پر بھی پڑتا رہا۔ اس سے پہلے یہاں فارسی زبان اور ادب کا سرمایہ بہت وسیع تھا۔ (۱۹۴۶۔ ۱۹۵۶) میں جب ریاست جموں وکشمیر میں ڈوگرہ عہد کا آغاز ہوا مہاراجہ گلاب سنگھ نے برطانوی مفادات کے پیش نظر کشمیر کو خریدا اور اس طرح ریاست جموں وکشمیر کے دوسرے راستوں کے ساتھ خاص کر دہلی اور لاہور سے تعلقات بڑھے اور آپس میں لوگوں کا آنا جانا ناگزیر بن گیا۔ اردو زبان کے شعراء اور اردو کے نامور علماء کی یہاں آمد سے یہاں اردو کی ادبی تاریخ کے خدو خال ابھرنا شروع ہوجاتے ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر برج پریمی کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''ڈوگرہ عہد میں کچھ عرصہ تک نقیبوں کو ہندوستان کے مختلف شہروں سے بلاکر، اپنے دربار میں اس غرض کے لیے تعینات کیا گیا تھا کہ وہ بھی ڈوگرہ دربار میں مغل جاہ وجلال کا سا انداز پیدا کریں۔ چنانچہ جب مہاراجہ دربار میں آتا تھا تو اس کی آمد کا اعلان مغلی انداز سے کیا جاتا تھا۔ ان نقیبوں کے ساتھ ان کے پورے پورے خاندان بھی تھے۔ جن کی بول چال کی زبان اردو تھی۔ اس طرح سے بھی اردو زبان کا عمل

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دخل شروع ہوا۔''[1]

مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں ریاست کی درباری زبان فارسی تھی لیکن جموں کے بیشتر علاقوں میں ڈوگری زبان کا بول بالا تھا جو لسانی اعتبار سے پنجابی اور اردو کے قریب ہے اسی لیے یہاں اردو زبان پہلے سے ہی اپنے ادبی خدوخال مرتب کر چکی تھی۔ مہاراجہ کو نئے علوم وفنون سے کافی دلچسپی تھی۔ اس لیے انھوں نے اپنی رعایا کے لیے اپنے دربار میں بڑے بڑے عالم و فاضل جمع کیے۔ ان میں بیشتر فارسی کے عالم بھی تھے جو فارسی اور اردو بولتے اور لکھتے تھے۔ اس عہد میں مہاراجہ کا وزیر اعظم دیوان کرپارام کئی فارسی کتابوں کا مصنف تھا جو اردو پر بھی دست رس رکھتا تھا۔ وزیر اعظم دیوان کرپارام ہی پہلا مصنف ہے جس نے دربار سے انتظامی صورت حال پر رپورٹیں مرتب کروائیں اور ان کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ یہ رپورٹیں سرکاری استعمال کے لیے مرتب کی جاتی تھیں۔ ان ہی رپورٹوں کو ریاست میں اردو نثر کا ابتدائی نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد حکومت میں علم و ادب کو کافی فروغ ملا۔ مہاراجہ نے علم و ادب کی اشاعت پر خاص توجہ دی۔ جموں میں ایک سنسکرت کالج قائم کیا اور ایک لائبریری اور ایک دارالترجمے کا اہتمام بھی کروایا اس دارالترجمے کے توسط سے سنسکرت اور فارسی کی کتابیں شائع ہوئیں۔ اس ادارے کے زیر اہتمام ریاستی نظم ونسق سے متعلق کئی رپورٹیں مرتب ہوئی تھیں ان کو باضابطہ طور پر شائع کیا جاتا تھا۔ اس عہد کے کئی مسودات ملتے ہیں جن میں سے اکثر انگریزی، فارسی اور عربی

---

[1] جموں وکشمیر میں اردو ادب کی نشوونما، ڈاکٹر برج پریمی ۲۰۰۰ء ص ۱۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے اردو میں ترجمہ ہوئے ہیں۔ ان مسودات کی تیاری میں غلام غوث خاں، پنڈت بخش رام، مولوی فضل الدین، لالہ نسبت رائے وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ عالم اور فاضل مہاراجہ کے دربار کے ساتھ وابستہ تھے اور انھوں نے طب، انجینئرنگ، منطق، تاریخ، مذہب، کاغذ سازی، اٹا نامی جیسے موضوعات سے متعلق مسودات تیار کیے۔ ان کی زبان صاف ستھری ہے کہیں کہیں ادبی چاشنی بھی ملتی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں اردو زبان کو سرکاری زبان ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا لیکن اردو زبان عام پڑھے لکھے لوگوں میں مقبول ہورہی تھی۔ چنانچہ دارالترجمہ کے دائرہ عمل سے باہر بھی کئی نثری کارنامے وجود میں آئے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے کارناموں میں بدیابلاس پریس کا قیام بھی ایک اہم کارنامہ ہے۔ یہ پریس ۱۸۸۲ء میں قائم ہوا۔ اسی سال ریاست کا پہلا اخبار دیوناگری اور اردو دونوں حروف میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے قیام سے بھی اردو زبان و ادب کو بڑھاوا ملا اس لیے کہ اس کے زیر اہتمام اردو میں بہت سی کتابیں ترجمہ کی گئیں اور اس طرح دھیرے دھیرے اردو شعر و ادب کا جادو اس ریاست میں اپنا اثر دکھانے لگا۔ پروفیسر حامدی کاشمیری لکھتے ہیں:

> ''۱۸۸۹ء مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ریاست میں اردو زبان کی روز افزوں مقبولیت کے پیش نظر اسے سرکاری زبان کا درجہ عطا کیا اور فوراً بعد ریاست کے سکولوں، عدالتوں اور محکمۂ مال میں اردو کا چلن ہوا۔ اس سے پہلے ۱۸۸۲ء میں جموں میں بدیابلاس پریس قائم ہوا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اس پریس کے زیر اہتمام بدیا بلاس کے نام سے ایک اردو ہندی گزٹ شائع ہونے لگا تھا اس زمانے میں دوسرا اقدام یہ کیا گیا کہ ایک دارالترجمہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کے زیر اہتمام بعض کتابیں اردو میں شائع ہوئی ہیں۔ ۱۸۷۳ء کو ہرگوپال خستہ کی جموں وکشمیر کی پہلی اردو تاریخ گلدستہ کشمیر شائع ہوئی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں جموں میں بزم سخن اور سری نگر میں خوشی محمد ناظر کے حلقہ مفرح القلوب کے قیام سے شعر و ادب کی ایک سازگار اور بارآور فضا قائم ہوئی۔''[1]

اس عہد کے سب سے اہم ادیبوں میں پنڈت ہرگوپال خستہ کا نام سب سے نمایاں ہے جو اعلیٰ پایہ کے نثر نگار اور شاعر تھے وہ اصل میں کشمیر الاصل تھے اور کشمیر سے باہر بہت عرصہ رہ چکے تھے۔ ۱۸۷۶ء میں کشمیر لوٹے اور آتے ہی اپنی ذہانت اور قابلیت کے باعث مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دربار کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ ان کے کئی نثری کارنامے ہیں، ان کی گلدستۂ کشمیر اردو نثر میں غالباً کشمیر کی پہلی ادبی تاریخ ہے اس عہد کے اہم نثر نگار ہرگوپال کے چھوٹے بھائی سالک رام سالک بھی قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے بھی علم و ادب کی دنیا میں کافی نام کمایا ان کی اردو خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

ریاست میں اردو کی اشاعت و ترویج میں اخبارات اور رسائل کا رول سب سے نمایاں ہے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوایل میں لاہور اور دوسری جگہوں سے ریاست کا رابطہ اخبارات کے ذریعے قائم ہوا۔ محمد الدین فوقؔ

---

[1] جموں وکشمیر میں اردو ادب کی نشو ونما، ڈاکٹر برج پریمی ۱۹۹۱ء ص ۷۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نے لاہور اور کشمیر سے مختلف اخبارات جاری کیے۔ فوق اپنے عہد کے سب سے بڑے ادیب تھے انھوں نے ناول، افسانہ، سوانح، تذکرہ، تاریخ کے شعبوں میں متعدد کارنامے انجام دیے۔ اپنے قلم کی طاقت سے انھوں نے اہل کشمیر کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔

۱۹۲۴ء میں لالہ ملک راج صراف نے ریاست کا پہلا اخبار جموں سے جاری کیا۔ اس اخبار کی اشاعت نے اردو نثر کی توسیع اور ترقی کے لیے راہیں کھول دیں اور نئی صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع فراہم کیا اس طرح نئے نثر نگاروں کا ایک بڑا حلقہ پیدا ہوا۔ ان میں مولوی زین العابدین، سالگرام کول، جیالال کیلم، مولوی عبداللہ وکیل، پریم ناتھ بزاز، کشپ بندھو، پریم ناتھ رونق، بلدیو پرشاد شرما، عشرت کشتواڑی، نشاط کشتواڑی، دیا کرشن گردش، غلام حیدر چستی، قیس شیروانی، تاراچند ترسل سالک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نثر کے میدان میں کشمیر کے ادیبوں نے اہم کام انجام دیا ہے۔ انھوں نے مذہبیات سیاست، سماجیات پر کتابچے اور افسانے لکھے ہیں۔ ریاست میں دراصل ادبی نثر کے عمدہ اور قابل قدر نمونے افسانوں ہی کی صورت میں ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا اہم نام تیرتھ کاشمیری کا ہے۔ تیرتھ کاشمیری کے زمانے میں کئی ادیب ریاستی اور غیر ریاستی، اخبارات میں افسانے اور انشائیے لکھتے رہے۔ ان میں پریم ناتھ در، تاراچند ترسل، وشوناتھ ورما، دینا ناتھ مٹو، گنگا دھر بھٹ وغیرہ شامل ہیں۔ اس دور میں اخبارات کے ذریعے نثر کی خوب آبیاری ہوئی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اردو نثر کی توسیع کے ساتھ ساتھ فکشن کے مختلف شعبے بھی معرض وجود میں آئے۔ چنانچہ افسانے، ناول، ڈرامے ادب لطیف، تحقیق وتنقید غرض ہر شعبے میں ریاست کے قلم کاروں نے اپنے قلم کی جولانیاں دکھائیں اور نہ صرف ریاست میں بلکہ پوری اردو دنیا میں اپنی دھاک بٹھادی۔ آج ہمارے کتنے ہی قلم کار ہیں جن کی دنیا میں اپنی ایک پہچان ہے اور جن کی آواز پایۂ اعتبار رکھتی ہے۔ فکشن کے شعبے میں پریم ناتھ پردیسی، پریم ناتھ در، نرسنگھ داس نرگس، کشمیری لال ذاکر، موہن یاور، علی محمد لون، غلام حیدر چستی، دینا ناتھ در، محمود ہاشمی، حامدی کاشمیری، برج پریمی، ہری کرشن کول، نور شاہ، مالک رام آنند، پروفیسر محمد زماں آزردہ اور دوسرے بیسیوں تابناک ستارے ہیں جن کی تخلیقات ذوق وشوق سے پڑھی جاتی رہی ہیں۔ ان ادیبوں، نقادوں اور محققوں نے ادب، تہذیب اور ثقافت کے مختلف پہلوؤں پر مضامین اور مستقل کتابیں تصنیف کیں۔

پروفیسر قاضی غلام محمد کے نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ قاضی صاحب ریاست کے مشہور ومعروف ریاضی دان رہے ہیں۔ ریاضی کے استاد کی حیثیت سے کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ قاضی صاحب تعلیمی دنیا میں کافی نام کما چکے ہیں۔ وہ ریاضی کے چوٹی کے ماہرین میں شامل تھے۔ ریاضی میں انھوں نے حیرت انگیز کارنامے انجام دیے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شعر وادب کی دنیا میں بھی اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ قاضی صاحب کا اردو اور فارسی کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ یوں تو پروفیسر قاضی صاحب اپنی شاعری کے لیے مشہور ہیں اور بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ وہ اچھے نثر نگار بھی تھے، گو کہ نثر انھوں نے برائے نام لکھی لیکن جو مضمون لکھا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وہ اعلیٰ پایہ کا اور بڑی ذمہ داری کے ساتھ قاضی صاحب نے نثر انگریزی اور کشمیری میں بھی لکھی لیکن یہاں ان کی اردو نثر زیر بحث آئے گی اس میں ان مقالات کا ذکر آئے گا جو انھوں نے مختلف سیمیناروں کے لیے تحریر کیے۔ یہ تحریریں اگرچہ کسی کی فرمائش یا درخواست پر لکھی گئیں لیکن قاضی صاحب کے ذمہ دار ذہن نے انھیں فرمائش نہیں رہنے دیا بلکہ ایک مخلص اور سنجیدہ محقق اور ناقد کی طرح سے اپنے موضوع کو ہر پہلو سے دیکھا اور ایسے نکات پیدا کیے جن پر ان سے پہلے لکھنے والوں کی بہت کم نظر گئی تھی۔ پروفیسر محمد امین اندرابی صاحب نے لکھا ہے:

> ''قاضی صاحب کی ہر بات میں ایک بات ہوا کرتی تھی۔ کوئی اچھوتا پہلو کوئی نادر نکتہ، میں نے اکثر انھیں اپنے شعبے کے سیمناروں میں مدعو کیا لیکن سوائے دو ایک مرتبہ کے انھوں نے ہمیشہ مضمون وغیرہ لکھنے سے معذرت کی۔ میرے خیال میں اس کی دو وجوہ تھیں۔ ایک ان کی تساہل پسندی جو اکثر ذہین لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگ بہت اچھے Conversationlist ہوتے ہیں لیکن قلم کاغذ لے کر کوئی باقاعدہ مضمون لکھنے کے بکھیڑے میں پڑنے سے انھیں وحشت ہوتی ہے۔''[1]

قاضی صاحب نے اردو نثر بہت کم لکھی لیکن جو مضامین لکھے، وہ اپنی جگہ بہت اہم ہیں اور یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان مضامین کے پیچھے ایک سنجیدہ ذہن، نکتہ رس شخصیت اور وسیع مطالعہ کارفرما ہے۔ قاضی صاحب کا ایک مضمون ''اسلام

---

[1] گلالہ۔ پروفیسر محمد امین اندرابی، جلد ۱۰، سال ۲۰۰۰ء ص ۴۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور فنون لطیفہ'' اقبال کے ایک ریمارک کے تناظر میں[1] جو کافی دنوں تک محفلوں میں موضوع بحث رہا۔ قاضی صاحب کی انفرادی فکر پر دلالت کرتا ہے۔ اپنا یہ مضمون انھوں نے اقبال کے ایک ریمارک سے شروع کیا جو انھوں نے مرقع چغتائی[2] کے دیباچے میں تحریر کیا تھا۔ وہ ریمارک یہ ہے:

"It is my belief that with the single Exception of architecture that true art of Islam, painting music and even poetry yet to be born"

قاضی صاحب نے اقبالؔ کے اس قول کے ردعمل میں بعض سوالات اٹھائے ہیں۔ ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ کیا اقبالؔ خطاطی کو فنون لطیفہ میں شمار نہیں کرتے۔ حالانکہ مسلمانوں نے جس فن پر سب سے زیادہ توجہ دی وہ یہی خطاطی کا فن ہے۔ قاضی صاحب اس بات کا اعلان یوں کرتے ہیں۔۔

''قرآنی آیات کو خوبصورت سے خوبصورت تر انداز سے تحریر کرنے کی دھن میں مسلمان خطاطوں نے اپنا خون جگر صرف کیا اور خطاطی کا فن بجا طور پر مسلمانوں کی مصوری کہلایا۔''[3]

غور سے دیکھیے تو مصوری اور خطاطی دونوں کی بنیاد نقطے اور خط پر رکھی جاتی ہے۔ مصور یا خطاط جس قدر خط کھینچنے میں مہارت رکھتا ہوگا اتنا ہی اس کی تصویر یا

---

[1] اقبال اور قرآن۔ مرتبہ محمد امین اندرابی ص ۴۱۔۳۳

[2] مرقع چغتائی مطبوعہ ۱۹۲۸ء

[3] اقبال اور قرآن۔ مرتبہ محمد امین اندرابی ۱۹۹۴ء ص ۳۳

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تحریر خوبصورت ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ مصوری میں رنگ، اپنا ایک مقام رکھتے ہیں مگر اُس سے قبل خط کشی کا صحیح علم ہونا ضروری ہے جو رنگوں کے استعمال کے لیے ایک بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس پر یہ کہ مسلمانوں نے خطاطی کی جتنی قسمیں ایجاد کیں وہ بجائے خود اپنے اندر مصوری کی ایک دنیا آباد کئے ہوئے ہیں جیسے خط نستعلیق، خط غبار، خط گلزار، خط ریحان، خط ماہی خط ناخن وغیرہ۔ مثال کے طور پر خط گلزار میں تحریر کردہ اوراق میں کھلے ہوئے پھولوں کا منظر دکھائی دیتا ہے اور اس کے بعد غور کرنے پر حروف، الفاظ اور جملے پڑھے جاتے ہیں۔ اسے مصوری کی ایک عمدہ مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

مسجد قرطبہ کی دیواروں کی تزئین و آرائش پر غور کیا جائے اور ان دیواروں پر قرآنی آیات کی کتابت کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو مصوری کے بہت ہی عمدہ نمونے ذہن سے محو ہوں گے۔ اس مسجد کو دیکھ کر خود اقبال نے کہا تھا ''اگر الحمرا دیووں کا کارنامہ ہے تو مسجد قرطبہ مہذب دیووں کا۔''[1]

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ قرآنی آیات کے تحریر کرنے کے فن کو دنیا عربیسک (Arachesque)[2] کے نام سے جانتی ہے۔

قاضی صاحب کا کمال یہ ہے کہ وہ اس مضمون کے سہارے اس قدر زیادہ معلومات فراہم کرتے ہیں کہ قاری حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ ان کی نظر میں اس فن کا یعنی عربیسک پر پہلی کتاب فارابی کی ہے جس کا موضوع رومانیت اور جیومیٹری

---

[1] اقبال اور قرآن۔ مرتبہ محمد امین اندرابی ۱۹۹۴ء صفحہ ۳۳

[2] اقبالیات ص ۳۳

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کی شکلیں اور خود فارابی[1] ارسطو کا شارح[2] اور ایک ماہر موسیقار ہونے کے علاوہ فن موسیقی پر ایک زبردست کتاب کا بھی مصنف تھا۔

قاضی صاحب عموماً اپنے معروضات کو ریاضی کے اصولوں کی مدد سے واضح کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ متذکرہ بالا دعوے کی دلیل میں لکھتے ہیں:

> ''فارابی کے بعد ابوالوفا نام کے ایک مشہور ریاضی دان نے فارابی کے خیالات کو آگے بڑھایا۔ اُس نے تزئین کاروں کے لیے ایک کتاب لکھی جس میں جیومیٹری کے قواعد کی رو سے تزئین کاروں کو یہ سکھایا گیا کہ دائرے میں مثلث، مربع، مخمس اور مسدس کیسے کھینچا جائے۔ اس عمل میں حرف نشانات کے بغیر ایک مسطر اور پرکار کا استعمال عملی طور پر ہوتا تھا۔''[3]

---

[1] ابوالنصر محمد فارابی محمد ترخان (۸۷۰۔۹۹۰) ترکی نسل کے عظیم مسلمان فلسفی تھے۔ ان کے والد محمد ایک ترک سپہ سالار تھے۔ فارابی نے عربی زبان قیام بغداد کے زمانے میں سیکھی فارابی اسلامی فلسفے کا پہلا فلسفی ہے۔ ابن سینا اور ابن رشد فارابی کے معنوی شاگرد رہے ہیں۔ علمی تفکر کا سلسلہ الکندی نے شروع کیا اور حقیقی علم کی بنیاد فارابی نے رکھ دی۔ اسلامی مکتب فلسفہ کی بنیاد رکھنے کا شرف بھی فارابی ہی کو حاصل ہے۔ (شاہکار، اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ مرتبہ: سید قاسم محمود الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، جولائی ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۲۱۰۔۱۲۰۹

۲۔ فارابی نے ارسطو کی تصانیف کے عربی ترجموں کی اس طرح شرح کی کہ اس کی بدولت فلسفۂ طبعی کی بجائے فلسفہ ذہنی کا آغاز ہوا۔ (ایضاً صفحہ ۱۲۱۰)

[3] قاضی صاحب کا مضمون۔ اسلام اور فنون لطیفہ، مشمولہ اقبال اور قرآن۔

مرتبہ: پروفیسر محمد امین اندرابی۔ صفحہ ۳۷

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قاضی صاحب کے نزدیک اقبالؔ کا مرقع چغتائی کے دیباچے میں پیش کیا گیا ریمارک حقیقت سے دور ہے۔ اسی لیے بڑے اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں:

''اسلامی مصوری نہ صرف یہ کہ اقبالؔ کے وقت سے ایک ہزار سال پہلے پیدا ہوئی تھی بلکہ بعد میں اپنی انتہائی بلندی تک جا پہنچی تھی۔'' [1]

قاضی صاحب اس سلسلے میں کئی طرح کی دلیلیں پیش کرتے ہیں ان سے ان کی سوچ کی صداقت کو ثابت کرنا مقصود ہے۔ اپنی طرف سے پیش کر کے انھوں نے لفظی مصوری یعنی پیکر تراشی اور تصویر کشی کی حمایت کا اونچی آواز میں اعلان کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اسلام میں عمل کی بنیاد نیت پر ہے اگر نیت میں فتور ہے تو کینوس پر صرف ایک خط مستقیم یا خط منحنی کھینچ کر اس کی پرستش کی جاسکتی ہے۔ نیت میں فتور نہیں تو ایک مجرد انسانی تصویر بھی ہمیں اپنے مسلک سے گمراہ نہیں کرسکتی۔ الفاظ ترسیل خیال کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح رنگ بھی ترسیل خیال کا ایک اور ذریعہ ہیں۔ جو تصویر الفاظ سے بنتی ہے اس کے امکانات زیادہ وسیع اور بسیط ہوتے ہیں کیونکہ رنگ الفاظ کے مقابل محدود صلاحیت کے حامل ہیں۔ قافلہ اولیا کے سرخیل حضرت شیخ محی الدین سید

---

[1] قاضی صاحب کا مضمون: اسلام اور فنون لطیفہ، مشمولہ اقبال اور قرآن۔
مرتبہ: پروفیسر محمد امین اندرابی صفحہ ۳۸

[2] قاضی صاحب کا مضمون: اسلام اور فنون لطیفہ، مشمولہ اقبال اور قرآن۔
مرتبہ: پروفیسر محمد امین اندرابی صفحہ ۳۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک شعر ہے:

فتنہ انگیز مشو کاکل مشکیں نکشا

تاب زنجیر ندارد دل دیوانۂ ما

اس تصویر کے حوالے سے ہمارے ذہن میں جو تصویر بنتی ہے اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ سچ ہے ''کر دیا کافران اصنام خیالی نے مجھے'' اگر تنزیہہ مطلق مقصود ہے تو الفاظ سے بھی قطع نظر کرنا ہوگا۔''[1]

قاضی صاحب نے اس مضمون میں شاعری اور مصوری، دونوں کی وکالت ایک بالغ نظر ایڈوکیٹ کی طرح سے کی ہے۔ اساتذۂ فن سے مثالیں دے کر انھوں نے اپنی بات کو نہ صرف واضح کیا ہے بلکہ اس کی تائید میں ناقابل تردید دلیلیں پیش کی ہیں۔

قاضی صاحب نے اقبال پر جو مضامین لکھے ان میں کسی حد تک اپنے آپ کو دہرایا ہے۔ اقبال کے ایک ریمارک کے تناظر میں ''اسلام اور فنون لطیفہ'' والے مضمون کا تفصیلی ذکر آچکا۔ یہاں پر ''اقبال کی ایک تکنیک مسجد قرطبہ کی روشنی میں لکھتے ہیں:

''اقبالؔ کے نزدیک فن وہ ہے جس کا مقصد جلیل انسان کو الوہی صفات (Divine Attributes) کا حامل بناتا ہے انسان کو ایک بے کراں تمنا (Intimate Aspiration) سے لذت آشنا کرکے اس کی

---

[1] قاضی صاحب کا مضمون ''اسلام اور فنون لطیفہ، مشمولہ اقبال اور قرآن''

مرتبہ: پروفیسر محمد امین اندرابی۔ صفحہ ۳۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شخصیت کی ایسی تعمیر و تشکیل کرتا ہے جس کی بنا پر وہ کرۂ ارض پر نیابت خدا کا منصب پا سکے۔ اقبالؔ فن کو ایک مقدس جھوٹ کہتا ہے اور اس کے نزدیک حسن، جمال اور جلال کے امتزاج کامل کا نام ہے اقبال کا مثالی فن کار مادّیت اور زمان و مکان کی حد بندیاں توڑ کر حیات ابدی کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ محدود کے مقابلے میں لامحدود کا جویا ہے۔ اسی لیے اقبالؔ نے بدن کے رقص پر روح کے رقص کو ترجیح دی ہے۔ (بدن محدود اور مجبور ہے روح بے کراں اور آزاد) فن کے لیے تعمیر خودی اور ضرب کلیمی کی شرط لازم ہے فن کار تو کجا اقبال کو وہ نبی اور دین بھی تسلیم نہیں جن کا پیغام قوت اور شوکت سے عاری ہو۔''[1]

اس مضمون کی ابتداء میں قاضی صاحب نے اپنی بعض باتوں کو دہرایا ہے جیسے مرقع چغتائی پر لکھا ہوا اقبالؔ کا انگریزی دیباچہ جس میں پیش کیے گئے بعض معروضات کو وہ اہمیت بھی دے دیتے ہیں اور ان کے ردعمل میں اپنی طرف سے کئی طرح کے دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ اقبال کے خیالات کی تردید بھی کرتے ہیں اس سے قاری کے ذہن کو سوچنے کے لیے اچھا خاصا مواد ملتا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں قاضی صاحب نے انسان اور خاص طور سے تخلیق کار کی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ فطرت نے جو کچھ تخلیق کیا آدمی اس کو توڑ پھوڑ دیتا ہے، اس کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے اور اپنی خود غرضی سے آدمی میراث کو خراب کر دیتا ہے لیکن اقبالؔ کی نظر میں فنکار کا کام اس سے تھوڑا مختلف

---

[1] مشمولہ اقبالیات، صفحہ ۱۰۸۔۱۱۲

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے۔اس کو فطرت کے کام میں توڑ پھوڑ نہیں کرنا ہے بلکہ جو کام فطرت نے نامکمل چھوڑا ہے فنکار کو اسے مکمل کرنا ہے۔

قاضی صاحب نے اقبالؔ کا یہ شعر اس کی تائید میں پیش کیا ہے

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہوسکا وہ تو کر

قاضی صاحب کا خیال ہے کہ فنون لطیفہ بالعموم مذہب کی گود میں پرورش پاتے ہیں اور مذہب ہی ایسے فنکاروں کو ایسے نقطہ تک پہنچا دیتے ہیں جہاں تخلیق کا عنصر ان پر حاوی ہوجاتا ہے چنانچہ بیشتر مصوروں کی تصویریں دیکھ کے یہ بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ ان کی مصوری کا اصل منبع حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے عقیدت ہے اور ان فنکاروں نے اپنے اپنے طور پر اپنا خون جگر صرف کر کے نادر شاہکار تخلیق کیے لیکن ان کے مقابلے میں ان کے عجمی، ایرانی، معنوی اور باطنی خوبیوں کی جستجو میں رہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غیر مسلم مصوروں کے مقابلے میں مسلمان مصوروں کی دنیا محدود رہی۔ وہ زیادہ سے زیادہ اپنا کمال خطاطی اور فنِ تعمیر میں دیکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس میں انھوں نے اچھے نمونے تخلیق کیے جس کا جواب دور دور تک نہیں چنانچہ صرف قرآنی آیات کی خطاطی میں مسلمان خطاطوں نے قلم توڑ کر رکھ دیا۔ سچ پوچھیے تو ان فنکاروں کا میدان اگر محدود نہ رہتا تو یہ مانی و بہزاد[1] کو پیچھے چھوڑتے۔ ان کے سامنے کوئی بُت، کوئی صورت یا کوئی چہرہ نہیں رہا مگر حروف کو انھوں نے ایسا مشکل کر دیا کہ ہر ورق مصور نظر آتا ہے او

---

[1] ایران کے دو باکمال مصور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رجب یہی آیتیں پتھروں پہ کندہ ہوتی ہیں تو پتھر بولتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان پتھروں کو موم کرنا اور اپنی مرضی کے مطابق ان حروف کے نقوش ابھارنا ایک ایسا کارنامہ ہے جو ایک عام آدمی کے لیے بھی جاذبِ نظر ہیں۔ جب یہی نقوش دیواروں پہ ابھارے جاتے ہیں تو اس میں صرف ذہن کی تیزی ہی درکار نہیں بلکہ اس میں ریاضی خاص طور سے جیومیٹری کا دخل رہتا ہے۔ اگر آیات یا جملے اور ان کے حروف متوازن اور متناسب نہ ہوں جس کا مطلب یہ ہوا کہ حروف کندہ کرنے والے کو اس کا شدید احساس ہونا چاہیے کہ حرف کتنی جگہ گھیرے گا اور جب اس حرف کو دہرایا جائے گا تو کس فاصلے پر اور کس صورت میں اس کو کندہ کیا جائے تاکہ کسی بھی طرح کوئی حرف کوئی لفظ آنکھ کو بھدا نہ لگے اور اس کا مجموعی تاثر آنکھوں کے لئے فرحت بخش ہو، لطیف اور صالح جذبات کو ابھار سکے۔ ایک بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ غیر مسلموں کی مصوری کے نمونے دیکھ کر پست درجہ کے جذبات بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حیوانی جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اسی طرح اگر کنارک اور کھجراؤ کی سنگ تراشی کے نمونے دیکھ کر بُرے سے بُرا آدمی بھی آنکھ بند کرے گا یا پھر اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ دیکھ نہیں پائے گا اس کے برعکس مسلمان مصوروں کی فنکاری دیکھ کر جو جذبات ابھرتے ہیں ان سے ذوق جمال کو جلا ملتی ہے لیکن پاکیزگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔[1]

قاضی صاحب نے مسجدِ قرطبہ پر اقبالؔ کی کہی ہوئی نظم مسجد قرطبہ کو سامنے رکھ کر اقبالؔ کی ایک ایسی تکنیک دریافت کرکے دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے

---

[1] دانش شمارہ ۱۲-۱۱ ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۰۹-۱۰۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جس کی طرف ناقدین کی توجہ بہت کم رہی ہے اصل میں قاضی صاحب کی توجہ اس تکنیک کی طرف یوں ہوئی کہ وہ خود ریاضی دان تھے اور جیومیٹری کے تناسب سے واقف ہونے کی وجہ سے وہ فاصلوں کا اندازہ کر سکے تھے اور خطوط کی سمت و رفتار سے واقف تھے۔ قاضی صاحب نے مسجد قرطبہ والی نظم میں جن امکانات کو روشن کرنے کی کوشش کی ہے وہ علم ریاضی کے مرہون منت ہیں۔ کہتے ہیں:

''اقبال نے جس فن پارے میں بھی جلال و جمال کا امتزاج پایا اسے خراج تحسین پیش کیا۔ اہرام مصر اسلام کے مبعوث ہونے سے ہزاروں سال پہلے بنائے گئے تھے۔ بیکراں اور جگر تاب ریگ زاروں میں فطرت نے اپنی عظمت فن کا مظاہرہ کر کے وہاں اہرام بنائے، اہرام مدتوں سے وقت کی حشر سامانیوں کے مقابل سر اٹھائے کھڑے ہیں اقبال نے اہرام کو ''ابدیت کی تصویر، اور ابوالہول کو صاحب اسرار قدیم'' کہہ کر ان کو کچھ اور بھی جلالت مآب بنا دیا ہے۔ اقبالؔ کے ارضیوں (Lands Capes) میں بھی Expanse یعنی وسعت فضا پائی جاتی ہے۔ ''ذوق وشوق'' میں جب اسٹیج سے پردہ اٹھتا ہے جو صبح کے آثار میں کوہ اصنم اور ایک بے کراں صحرا دکھائی دیتے ہیں اور تکمیل آرام کا ڈرامہ اسی پس منظر میں پیش ہونا ہے لالہ صحرا ایک چھوٹا سا پھول ہے لیکن اقبالؔ اسکو بھی گنبد مینائی، عالم تنہائی اور دشت کی ڈرانے والی پنہائی کے پس منظر میں پیش کرتے ہیں، اس نظم کا حاصل ایک ایسی ذہنی کیفیت ہے جس میں ننھا گل لالہ زمین سے آسماں تک ایک سرخ سوالیہ نشان کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

صورت نظر آتا ہے، یہ تصویریں ایرانی اور ہندی مصوری کے Minitatures کے برعکس ہیں، جن میں تناظر کے فقدان کی وجہ سے فضا سمٹی ہوئی سی ہوتی ہے، ایسی نظموں میں اقبالؔ کمال کفایت شعاری سے کام لیتا ہے لیکن حاصل میں بلا کی وسعت پائی جاتی ہے۔

یہ گنبد مینائی یہ عالم تنہائی
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پنہائی

آگ بجھی ہوئی ادھر ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

سفر عروس قمر کا عماری شب میں
طلوع مہند سکوتِ سپہر مینائی

ابر نیساں پہ تنک بخشی شبنم کب تک
میرے کہسار کے رائے ہیں تہی جام ابھی

خورشید سرا پردہ مشرق سے نکل کر
پہنا میرے کہسار کو ملبوس حنائی

کسی حسینہ کو ملبوس صفائی میں دیکھنے کی آرزو مستحسن ہے لیکن کہسار کو ملبوس حنائی پہنانے کی آرزو صرف اقبالؔ کے سوچنے کی بات ہے۔''[1]

اقبالؔ اس راز سے واقف ہے کہ آدم کی اولاد فطرت میں ان نقوش کی متلاشی ہے جو اُس میں بظاہر نظر نہیں آتے۔ فطرت نے آدمی کو پتھر بنا دیا ہے یہ

---

[1] ''اقبالؔ اور قرآن'' مرتبہ پروفیسر محمد اندرابی صفحہ ۱۱۱

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آدمی کے ذہن اور اس کی فنکاری پر منحصر ہے کہ وہ کسی قسم کا بت اس کے اندر سے تراش کر برآمد کرے۔ اس کام کے لیے اس کو قدرت کے دیے ہوئے پتھر کو تراشنا پڑتا ہے اور اس سے کچھ مواد ہٹانا پڑتا ہے۔ اقبالؔ نے انسان کی اس خوبی کو سراہا ہے کہ فطرت نے رات پیدا کی انسان نے چراغ پیدا کیا یہ چراغ روشنی دیتا ہے اور فطرت کی بنائی ہوئی رات کو مٹا دیتا ہے۔ صدیوں سے انسان یہی کارنامے انجام دیتا آیا ہے، اسی میں انسان کی لافانیت مضمر ہے۔

قاضی صاحب اس مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں:

''وہ فن کار جو انسان ہونے کے ناطے فانی ہے لیکن فن کار ہونے کے ناطے وقت اور موت دونوں پر حاوی ہے، خدا اگر سب سے بڑا فن کار ہے تو انسان اس کا نائب جو فطرت کے مقاصد اور اس کے امکانات کی تکمیل میں آغاز و انجام سے بے پروا نشاط کار کے طفیل بے نام منزلوں کی جانب رواں ہے۔''[1]

قاضی صاحب نے ایک اہم مضمون ''حافظؔ اور اقبالؔ'' کے عنوان سے لکھا ہے جو سرورؔ صاحب کی مرتب کردہ کتاب ''اقبالؔ اور تصوف'' میں شامل ہے۔ یوں تو حافظؔ اور اقبالؔ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ تصوف کے معاملے میں دونوں کا نام لیا جاتا ہے لیکن اقبالؔ نے تصوف ہی کی وجہ سے حافظ کی مخالفت بھی کی۔ اقبالؔ کا نظریہ یہ تھا کہ عجمی تصوف مسلمان کو سُلا دیتا ہے انھیں دنیا سے غافل کر کے حقیقی زندگی سے دور کر دیتا ہے اصل میں وہ عمل پیہم کے قائل ہیں وہ مسلمان کو باعمل

---

[1] ''اقبال اور قرآن'' مرتبہ: پروفیسر محمد امین اندرابی، صفحہ ۱۱۲

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دیکھنا چاہتے ہیں جو اپنی تقدیر خود بنائے، جدوجہد کرے اور اس حد تک اپنی انا اور خودی کو استوار کرے کہ ع:

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اقبالؔ بھی تصوف کے قائل ہیں لیکن ''سر نہ تراشد'' تک اس کو محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ تصوف کو شریعت کے پیمانہ پر ناپنا چاہتے ہیں۔ طریقت کے قائل نہیں ان کا کہنا ہے ؎

بیا بہ مجلس اقبال و یک دو ساغر کش
گرچہ سر نہ تراشد قلندری داند

یہی وجہ ہوئی کہ انھوں نے حافظؔ کے پیغام کو زہر اجل سے تعبیر کیا ہے اصل میں اقبالؔ ملت کے غم میں ہمیشہ آنسو بہاتے رہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ملت اسلامیہ سوتی رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو اپنا کھویا ہوا وقار واپس مل جائے۔ وہ ایک بار پھر دنیا پر قابض ہو جائیں۔ قاضی صاحب اس مضمون میں خود کہتے ہیں:

''فن کے لیے ''ضرب کلیم'' اور ''تعمیر خودی'' کی شرط لازمی ہے فن کار تو کجا اقبالؔ کو وہ نبی اور دین بھی تسلیم نہیں جس کا پیغام قوت اور شوکت سے عاری ہو۔''[1]

اسی وجہ سے وہ حافظؔ کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتے اور کہتے ہیں۔

ہوشدار از حافظ صہبا گسار
جامش از زہر اجل سرمایہ دار

---

[1] ''اقبال اور تصوف'' مرتبہ آل احمد سرور صفحہ ۱۱۷

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لیکن اقبالؔ کے لیے یہ سودا مہنگا بھی ثابت ہوا۔ اسے کئی لوگوں سے معذرت کرنا پڑی۔ قاضی صاحب نے اس مضمون میں اپنے بعض خیالات کو دہرایا ہے مثال کے طور پر مرقع چغتائی کے پیش لفظ کا ذکر اس مضمون میں بھی آیا ہے۔ اسی طرح اقبالؔ کے اس خیال کی تائید اس مضمون میں بھی ملتی ہے کہ اقبالؔ نے بدن کے رقص پر روح کے رقص کو ترجیح دی ہے۔

قاضی صاحب نے عجم کی شاعری سے اقبالؔ کا شکوہ دہرایا ہے

ہے شعر عجم گرچہ طربناک و دل آویز
اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیر خودی تیز

اقبالؔ کی شاعری کا مرکز خودی اور تعمیر خودی ہے جب وہ عجم کی شاعری میں یہ جذبہ نہیں دیکھتے تو پریشان ہوجاتے ہیں مگر قاضی صاحب نے عرب کی شاعری اور اصلی فن کی نمود اور اس کی محرکات کو سامنے لاتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اقبالؔ شاعری کو اپنے نقطہ نظر سے پرکھتے ہیں اور شاعرانہ نقطہ نظر کو پس پشت رکھتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے قاضی صاحب کی نظر میں اقبالؔ کلیہ قائم کرنے کے باوجود Fallaces تضادات کے شکار ہوجاتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ اقبالؔ کی نظم ''ایک آرزو کو پیش کرتے ہیں جو شاعرانہ اعتبار سے ایک بلند پایہ تخلیق ہے [1]

اقبال کا یہ شعر ہے ؎

عروس لالہ مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
کہ میں نسیم سحر کے سوا کچھ اور نہیں

---

[1] ''اقبال اور تصوف'' مرتبہ آل احمد سرور صفحہ ۱۱۹

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ پیش کر کے اقبالؔ کی نغمہ سرائی کی تعریف کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ وہ اگرچہ خود کو شعلہ نفس شاعر کہتے ہیں مگر نزاکت اور نرمی شاعری کے اصل زیور ہیں، جن کو اقبالؔ بھی نظر انداز نہیں کر سکا قاضی صاحب اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ شعر کہنا ایک شعوری عمل ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہے [1]

قاضی صاحب نے اس مضمون میں اس بات پر زور دینے کی کوشش کی کہ شاعری سوچ سمجھ کے اور منصوبہ بنا کے نہیں کی جا سکتی۔ ایسی شاعری شعریت کے اعتبار سے دوسرے درجے کی ہوگی۔ کہتے ہیں:

> ''اقبالؔ نے ''اسرار خودی'' یا ''رموز بے خودی'' نہایت سوچ سمجھ کر لکھی۔ لیکن اس کو کیا کیجیے کہ شعریت کے نقطہ نظر سے دونوں اس کی صرف ایک نظم ''ذوق وشوق'' کے آگے نہایت پست درجے کی چیزیں ہیں۔ بلکہ منظوم نثر کا درجہ رکھتی ہیں۔'' [2]

اس مضمون میں قاضی صاحب نے ریاضی، فلسفہ، فزکس کے مفروضوں اور اصولوں کو ایک ہی سانس میں دہرایا ہے اور دہرانے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ سائنس میں زیادہ سے زیادہ اس پر بحث ہوتی ہے کہ کوئی چیز ''کیسے'' وجود میں آتی ہے اور اس سوال کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ''کیوں'' وجود میں آتی ہے اس بنیاد پر قاضی صاحب مابعد الطبیعات (Metaphysics) پر زیادہ زور دیتے ہیں اور حافظؔ اور اقبالؔ کے یہاں اسی قدر مشترک کو اہمیت دیتے ہیں۔ دونوں کے ہاں

---

[1] ''اقبال اور تصوف'' مرتبہ آل احمد سرور صفحہ ۱۱۹

[2] ''اقبال اور تصوف'' مرتبہ آل احمد سرور صفحہ ۱۲۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عناصر عشق کو اس طرح جگہ ملی ہے جس کو محض ارضی عینک سے دیکھنا مناسب نہیں۔ اقبال مسجد قرطبہ میں کہتے ہیں:

ع: عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام

حافظ کا شعر ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

غرض قاضی صاحب کا یہ مضمون اُن کے علمی اور فلسفیانہ استدلال پر بھی دلالت کرتا ہے اور شعر فہمی پر بھی۔ آخر میں وہ بھی موجودات سے گزر کر مابعد الطبیعاتی کوائف سے متاثر نظر آتے ہیں۔ قاضی صاحب کا یہ مضمون حافظؔ اور اقبالؔ دونوں کی شاعرانہ شخصیت اور شعری مزاج کے سمجھنے میں رہنمائی کرتا ہے۔

قاضی صاحب کا ایک اور مضمون ''زماں و مکاں—'' غالبؔ اور اقبالؔ کی ایک قدر مشترک[1] کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ قاضی صاحب ریاضی کے پروفیسر تھے اور سائنس خاص طور سے فزکس سے خاصی دلچسپی تھی۔ اس بات کے پیش نظر ان کا ''زمان و مکاں'' (Time and Space) کے حوالے سے لکھنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ جہاں تک اقبالؔ کا تعلق ہے وہ فلسفہ کے باقاعدہ طالب علم تھے۔ برگساں[2] سے متاثر تھے اور ان کے تصور زماں پر برگساں کے خیالات کا اثر خاصا واضح ہے اقبالؔ کے یہاں وقت، مکاں اور لامکاں کا ذکر خاص طور سے ملتا ہے۔

---

[1] دانش۔ مجلّہ شعبۂ فارسی کشمیر یونیورسٹی شمارہ ۱۲۔۱۱۔۱۹۹۴ء صفحہ ۱۱۶۔۱۷۰

[2] مشہور فرانسیسی فلسفی جس نے تصور زماں پر کافی لکھا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قاضی صاحب کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے غالبؔ کے ہاں ایسے آثار کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جن کو اس موضوع سے قریب سمجھا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''غالبؔ شاعر محض (Pure Poet) تھا، اس لیے اس کی شاعری میں زمان و مکاں سے متعلق خیالات اس کے بے پناہ وجداں کی دین ہیں۔ اقبالؔ نے کیمبرج اور ہائڈل برگ میں اپنے قیام کے دوران فلسفے اور طبیعات کے ماہرین سے راست گفتگو کی تھی، لہٰذا اس ضمن میں اس کے خیالات کسی حد تک اکتسابی بھی ہیں آئن سٹائن[1] پر اقبالؔ نے جو نظم لکھی ہے اس کا یہ ٹکڑا ''او کشوا سرار نور'' یعنی اس نے روشنی کے اسرار سے پردہ اٹھایا ثابت کرتا ہے کہ اقبال اپنے وقت کی طبیعات کی موٹی موٹی باتوں سے بخوبی واقف تھا۔''[2]

یوں تو اردو شاعری میں اسی طرح سے زماں اور مکاں کا ذکر آتا ہے جس طرح فارسی شاعری میں لیکن غالبؔ اور اقبالؔ کے ہاں اس کا ذکر خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ غالبؔ وقت کے سلسلے میں بہت ہی حساس ہیں مثلاً

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

---

[1] البرٹ آئن سٹائن ایک امریکی سائنسداں تھا جو جرمنی میں پیدا ہوا تھا اور اپنی Theory of Relativity کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہوا۔

[2] دانش۔ شمارہ ۱۲۔۱۱ ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۰۷

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تیری فرصت کے مقابل اے عمر
برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

رفتار عمر قطع رہ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

غالبؔ وقت کی بے پناہ قوت اور بے پناہ رفتار کے قائل ہیں اکثر لگتا ہے کہ وقت کی برق رفتاری سے وہ خوفزدہ بھی ہیں کیونکہ بنی آدم جتنا وقت کے سامنے مجبور، بے بس اور لاچار ہے، اتنا کسی اور قوت کے سامنے نہیں گھبراتا۔ قاضی صاحب نے غالبؔ کی اس بے بسی کو ان کے اشعار سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''غالب کی شاعری میں ٹریجڈی کے جو چار عناصر ہیں ان میں وقت کی حشر سامانیاں (Ravages of Time) بھی شامل ہیں۔ یہاں غالبؔ نے زماں کو ''گردش مدام'' کے حوالے سے یاد کیا ہے۔

کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے
لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

غالبؔ کو ''محرومی جاوید'' کا غم نہیں وہ گردش رنگ طرب'' اور ''گردش رنگ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چمن'' سے ڈرتا ہے کیونکہ وقت نہایت غیر محسوس طریقے موجودات کی شکست و ریخت اور تغیرات کا سبب ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ آنے والا لمحہ اپنی جلو میں کونسی غیر یقینیت (Uncertainty) لے کر آنے والا ہے، اس بات کا شدید احساس ٹریجڈی کی ایک بنیادی اساس ہے لیکن غالبؔ کی شاعری میں متضاد عناصر کی جو کارفرمائی ہے اس کے طفیل وہ ہار تسلیم نہیں کرتا، گئے وقت پر تو کسی کی دسترس نہیں اور وقت پر چھا جانے کی آرزو کسے نہیں، لیکن اس آرزو کو حسین ترین پیرایہ اظہار غالبؔ نے عطا کیا ع

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں[1]

قاضی صاحب نے غالبؔ کے تصورِ زماں کو بڑی گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش کی۔ حالاں کہ غالبؔ کے یہ تصورات انفرادی اور خالص نجی سوچ سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے کسی سے اس کا باقاعدہ درس نہیں لیا تھا اس کے برعکس اقبالؔ فلسفے کے سنجیدہ طالب علم رہے، یورپ کا سفر کیا۔ زمان و مکاں پر سوچنے اور لکھنے والوں سے ملاقات کی۔ جدید سے جدید تصورات کا مطالعہ کیا اور تصورات کے بنیادی عوامل اور تجزیاتی انداز میں اس کا اظہار کیا لیکن غالبؔ نے وقت کے جن پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ بہت ہی نادر ہیں۔ خاص طور سے جب وہ ''شب ہائے ہجر'' کا ذکر کرتے ہیں۔ قاضی صاحب نے بھی غالبؔ کے اس شعر کا حوالہ دیا ہے:

---

[1] دانش شمارہ ۱۲-۱۱ ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۰۹-۱۰۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں

شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

قاضی صاحب نے غالبؔ کے تصور زماں کے نفسیاتی پہلو پر بھی اس مضمون میں خاصی بحث کی ہے اور غالبؔ کے وقت کو ماپنے کے پیمانے کو زیر بحث لایا ہے لکھتے ہیں:

"...زماں و مکاں دورانِ محض ہی نہیں بلکہ نفسیاتی بھی ہے، اس لیے وہ دوران کے مقابل بیش و کم بھی ہوسکتا ہے پس وقت کی رفتار کی پیمائش انسان کے موڈ پر بھی انحصار رکھتی ہے یہ وقت کا اضافی پہلو Relative Aspect ہے۔ عالم یاس میں وقت دھیمی رفتار سے گزرتا ہے اور عالم انبساط میں تیز رفتار سے گزرتا ہے گرمی بزم کی میعاد بس اتنی ہے جتنی رقص شرر کی اور فرصت ہستی یک نظر پیش نہیں۔"[1]

قاضی صاحب کے قریب غالبؔ اور اقبالؔ کے ہاں تصور کی یکساں کیفیتیں ملتی ہیں انداز بیان کے فرق کے سوا کوئی فرق نہیں۔ اصل میں ہر بڑا ذہن حقیقت کے اعتراف میں بخل سے دور رہتا ہے۔ بے شک غالبؔ اور اقبالؔ دونوں بڑے ذہنوں کے مالک تھے۔ البتہ غالبؔ کا تصور زماں نفسیاتی پہلوؤں میں زیادہ مقید رہتا ہے۔ غالبؔ گردش مدام سے گھبراتے ہیں اور اقبالؔ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ زمانے میں صرف "تغیر" کو ثبات ہے۔ قاضی صاحب نے غالبؔ اور اقبالؔ کے ہاں وقت کے تصور پر بحث کرتے ہوئے اپنی

---

[1] دانش شمارہ ۱۲-۱۱ ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۱۱

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

فلسفیانہ نظر سے کام لیا ہے۔

غالبؔ اور اقبالؔ کے تصور مکاں پر بھی قاضی صاحب نے سیر حاصل بحث کی ہے اور اہم نکات سامنے لائے ہیں مثال کے طور پر غالبؔ ایک طرف کائنات کو لامحدود مانتا ہے اور دوسری طرف حالت یاس میں اس کو سمٹتا ہوا محسوس کرتا ہے بقول قاضی صاحب، غالبؔ نے بے در و دیوار والے گھر کا تصور دے کر مکان کے امکانات کو وسیع تر کر دیا ہے جیسے:

ع خانہ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تھا

ع صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

ع بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے

اور دوسری طرف جب وہ مکان کو سمیٹنے پر آتے ہیں تو غالبؔ اس طرح اسے پیش کرتے ہیں۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا پایا

یہاں پر اقبالؔ، غالبؔ کے ہمنوا ہو جاتے ہیں۔ انھیں اپنی تمناؤں اور امنگوں کے مقابلے میں یہ زمین و آسماں بہت تنگ نظر آتے ہیں کہتے ہیں

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

اقبالؔ کے ہاں اس مکاں کی توسیع کا بھی امکاں نظر آتا ہے غالبؔ اگر ''آرایش جمال'' کے سلسلے کو دراز اور لامتناہی کہتے ہیں تو اقبالؔ بھی اس خیال کو اس

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

طرح پیش کرتے ہیں:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

غرض غالبؔ اور اقبالؔ کے کلام میں تصور زمان و مکاں کی بڑی اہمیت ہے۔ اس سے قطع نظر کہ دونوں نے کس مضمون کو کیسے باندھا ہے، ایک بات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ دونوں اساتذہ نے فلسفے کے اہم تصورات کو اپنے کلام میں اس طرح جگہ دی ہے کہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخصیتیں نابغہ روزگار تھیں اور اپنے گردوپیش کا مشاہدہ اور مطالعہ گہری نظر سے کرتے تھے قاضی صاحب نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر اپنی بالغ نظری کا ثبوت دیا ہے۔

قاضی صاحب نے سید عبدالحمید عدمؔ پر بھی ایک مضمون سپرد قلم کیا۔ یہ مضمون اصل میں عدمؔ کی چار کتابوں کا وہ مجموعی تاثر ہے جو قاضی صاحب نے ان کے مطالعہ سے لیا۔ یہ مضمون کہیں چھپا کہ نہیں معلوم نہ ہوسکا۔ البتہ قاضی صاحب کی اہلیہ کے پاس اس کا مخطوطہ[1] موجود ہے اور میں نے اسی سے استفادہ کیا ہے

متذکرہ بالا مضمون میں قاضی صاحب نے عدمؔ کی شاعری کے اہم پہلوؤں پر بحث کی ہے، خاص طور سے ان کو موضوع بنا کر ان کی زبان تشبیہیں استعارے، معنی آفرینی کے مختلف پہلو زیر بحث لائے ہیں قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''عدمؔ بنیادی طور پر غزل گو ہیں اور اس وقت کے غزل گو شعرا میں یقیناً ایک منفرد حیثیت کے مالک ہیں وہ طبعاً رومانی بلکہ الف لیلوی ہیں اور

---

[1] مخطوطہ۔ ملکیت اہلیہ قاضی صاحب مرحوم

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اسی وجہ سے انھوں نے غزل کے مضامین میں قدرے اضافہ بھی کیا ہے۔''[1]

قاضی صاحب نے عدمؔ کے ذکر خمریات کو بھی سراہا ہے کہ

ع: بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر

بلکہ وہ ذکر خمریات کرنے والے شعراء میں عدمؔ کو آخری صف کی ایک کڑی مانتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں انھوں نے عدمؔ کے اس شعر کو بہت سراہا ہے ؎

کبھی تو آئے گا دیر و حرم سے تو واپس
میں میکدے میں ترا انتظار کرلوں گا

عدمؔ کے ذکر حسن کو بھی قاضی صاحب نے بڑی اہمیت دی ہے ان کی نظر میں جو شاعر حسن شناس اور حسن پسند نہ ہو وہ شعر کیسے کہہ سکتا ہے۔ ان کی نظر میں عدمؔ الفاظ کے مزاج اور شخصیت سے بڑی حد تک واقف تھے کہتے ہیں۔

''کبھی کبھی (عدمؔ) صرف ایک لفظ کے استعمال سے ایک اوسط درجہ خیال کو بڑی خوبصورتی سے نظم کرتا ہے۔''[2]

مثال کے طور پر یہ چند شعر ملاحظہ کیجیے

بڑی روشنی بخشتے ہیں نظر کو
ترے گیسوؤں کے مقدس اندھیرے

---

[1] مخطوطہ۔ ملکیت اہلیہ قاضی صاحب مرحوم

[2] مخطوطہ۔ ملکیت اہلیہ قاضی صاحب مرحوم

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

فضا ہنس رہی ہے ہوا گا رہی ہے
بڑی تمکنت سے بہار آ رہی ہے

اتنا نہ ڈرو ہم سے بیاباں کے غزالو
ہم اہل چمن تم کو بڑا پیار کریں گے

قاضی صاحب عدمؔ کی زبان اور ان کی ترکیبوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ترکیبیں غالبؔ کی یاد دلاتی ہیں ان کی اس سلسلے میں پیش کردہ مثالوں میں سے چند یہ ہیں۔

''کہر صبا بیابان ہوش، نگار وقت، اقلیم چشم ہائے غزالاں، نصاب بہار، اسیر سلسلہ ماہ و سال تازہ واردان چمن کہر، نجوم[1] وغیرہ۔

قاضی صاحب چونکہ خود ایک طنز نگار تھے اس لیے وہ عدمؔ کی ظرافت کو داد تحسین دیے بغیر نہ رہ سکے لکھتے ہیں:

''صحت مند ظرافت اور طنز کی پھلجھڑیاں بھی عدمؔ کی غزل کو چار چاند لگا دیتی ہیں۔ غالبؔ اور اقبالؔ کی طرح وہ اپنے طنز کا نشانہ خدا تعالیٰ کو بھی بنا سکتا ہے۔ شیخ حرم کو بھی اور رہنما کو بھی، وہ انسان کو فطرت کی زبردست طاقتوں کے مقابلے میں پے در پے شکست کھاتا ہوا دیکھ کر پکار اٹھتا ہے:

جو اخلاق کی تفریح کا ساماں ہونا
کس قدر مضحکہ انگیز ہے انساں ہونا

---

[1] مخطوطہ۔ ملکیت اہلیہ قاضی صاحب مرحوم

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دنیا میں وہ کچھ ہوتا ہے بعض اوقات یزداں کو بھی ہنسی آتی ہوگی کہ یہ کیا تماشا ہو رہا ہے کہتا ہے۔

تخلیق کائنات کے دلچسپ جرم میں
ہنستا تو ہوگا آپ بھی یزداں کبھی کبھی[1]

قاضی صاحب کا خیال ہے کہ عدمؔ کے کلام کا طرہ امتیاز جذبات کی شدت ہے جو دل کی عمیق گہرائیوں سے نغمہ زن ہونے کی صورت میں ہی وقوع پذیر ہوتی ہے۔

غرض قاضی صاحب نے اس مضمون میں عدمؔ کی شاعری کے کم و بیش تمام اہم پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ یہ مضمون اگرچہ براہ راست عدمؔ کی شاعری پر مرکوز ہے مگر بالواسطہ یہ قاضی صاحب کے ذوق شعر اور ذوق جمال پر دلالت کرتا ہے۔

ان مضامین کے علاوہ قاضی صاحب کی نثر میں ان کے لکھے ہوئے بعض خطوط ہیں جو نجی کم اور ادبی زیادہ ہیں۔ یہ خطوط انھوں نے وقتاً فوقتاً اپنے دوستوں کو لکھے ہیں۔ مجھے خاص طور سے کچھ خط ملے جو ڈاکٹر عروج زیدی[2] منظور الامین[3] ڈاکٹر محمد حسن[4] کو لکھے گئے ہیں۔ یہ سب قاضی صاحب کے فن، ان کی یادداشت ان

---

[1] مخطوطہ۔ ملکیت اہلیہ قاضی صاحب مرحوم

[2] ڈاکٹر عروج زیدی نے ان کے آخری شعری مجموعے کا پیش لفظ لکھا ہے۔ یہ امریکہ میں مقیم ہیں۔

[3] منظور الامین صاحب کچھ وقت تک کشمیر یونیورسٹی کے ماس کمیونیکیشن ڈپارٹمنٹ کے سربراہ رہے۔

[4] پروفیسر محمد حسن کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۴ء تک سربراہ رہے اور بعد میں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں ان کا تقرر ہوا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کی سخن فہمی اور سخن شناسی کے مداح تھے۔

اس کے علاوہ قاضی صاحب کی بعض انگریزی تحریریں بھی سامنے آئی ہیں جیسے جموں وکشمیر یونیورسٹی کے ۱۹۵۹ء کے مجلّہ میں ان کا مضمون About great mathematicians[1] یہ مضمون ان کی انگریزی دانی اور سنجیدہ تحقیقی کاوشوں کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

مجموعی اعتبار سے دیکھیں تو قاضی صاحب نے نثر میں اپنے نقوش اس طرح چھوڑے ہیں کہ یادگار ہوگئے۔ بہت کم لکھا، مگر جو لکھا عمدہ لکھا اور ادب کے معیار کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیا۔

☆☆☆

1- A JOURNAL OF THE UNIVERSITY OF JAMMU AND KASHMIR

VOL II NO.2 P.21-22

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

باب سوم

پروفیسر قاضی غلام محمد کی شاعری

اردو اور کشمیری

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

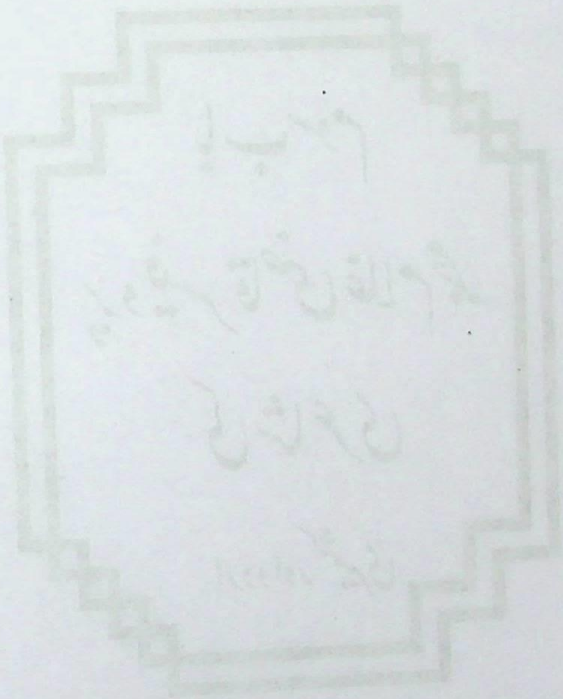

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قدرت نے ارض کشمیر کو جہاں بے پناں حُسن و جمال ،معدنیات نباتات میٹھے چشموں اور جھیلوں سے نوازا ہے وہاں علم و ادب ،شعر وسخن اور فنون لطیفہ کی ارزانی بھی کی ہے ،ریاست تین خطوں یعنی کشمیر، جموں اور لداخ پر مشتمل ہے اور ان تینوں خطوں میں الگ الگ زبانیں مرّوج ہیں، اردو کو رابطے کی زبان ہونے کی بناء پر سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔

اہل کشمیر کی مادری زبان کشمیری ہے، جموں میں ڈوگری زبان مروج ہے اور لداخ میں لداخی بولی جاتی ہے لیکن اردو ریاست کے لوگوں کے لئے کوئی غیر یا اجنبی زبان نہیں یہاں کے لوگوں نے ایک صدی سے زیادہ عرصہ سے اردو زبان کو اپنی زبان سمجھ کر برتا ہے اور اسکی تعمیر و ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ کشمیر عہد ماضی سے زبان ،علوم وفنون، فکر و فلسفہ اور تہذیب و تمدن کا مرکز رہا ہے۔ شعر و ادب کے چراغ یہاں جلتے رہے، ہندوستانی زبان وادب کو بے پناہ فروغ ملا۔ مسلمانوں کے دورِعروج میں فارسی زبان و ادب کو بے پناہ فروغ ملا۔اس دور میں فارسی زبان و ادب کا گھر گھر چرچا تھا پھر پندرہویں صدی کے بعد یعنی زین العابدین بڈشاہ کی حکومت کے بعد جب یہاں کے ملکی نظام کا شیرازہ بکھر گیا اور بہت سے لوگ پنجاب، اودھ ،دلی اور آگرہ میں جابسے تو ان میں بعض اہل کمال کے توسط سے اردو زبان کی تقدیر روشن ہوگئی۔ اردو زبان کا چلن ریاست میں انیسویں صدی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے نصف آخر میں ہوا اور کچھ عرصے کے بعد ریاستی سرکار نے اسکی مقبولیت کو دیکھ کر اسے سرکاری زبان کا منصب عطا کیا اور سرکاری دفاتر میں اسکا رواج ہوا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں اردو زبان نے ایک اور زینے پر قدم رکھا اور یہ سرکاری اسکولوں میں تعلیم و تفہیم کا ذریعہ قرار دی گئی اور اسکی تعلیمی اہمیت مسلّم ہو گئی۔اس بارے میں پروفیسر حامدی کاشمیری رقمطراز ہیں۔

> ''۱۸۸۹ء میں مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اردو کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر اسے سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ چنانچہ یہ دفاتر اور عدالتوں میں رائج ہوگئی اور تعلیمی اداروں میں پڑھائی جانے لگی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں اردو کے حق میں چند اور اقدامات کئے گئے۔ بعض کشمیریوں نے لاہور سے اخبارات جاری کئے جن میں خیر خواہ کشمیر، مراسلہ کشمیر اور اخبار عام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، محمد دین فوق نے پنجہ فولاد اور کشمیر میگزین شائع کیا۔ ۱۹۳۰ء میں انقلاب جاری ہوا اور اس میں کشمیریوں کے استحصال اور بیچارگی کی آواز بلند ہونے لگی۔[1]

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے کارناموں میں بدیا بلاس پریس کا قیام بھی ایک اہم کارنامہ ہے۔ یہ پریس ۱۸۸۲ء میں قائم ہوا، اسی سال ریاست کا پہلا اخبار بدیا بلاس سرکاری گزٹ کے طور پر جاری ہوا۔ اس پریس کے قیام سے اردو ادب کو بڑھاوا ملا۔ اسکے زیر اہتمام اردو میں بہت سی کتابیں ترجمہ کی گئیں اور اس طرح دھیرے دھیرے اردو شعر و ادب اس ریاست میں بھی اپنا جادو جگانے لگا۔

---

[1] ''ماست جموں و کشمیر میں اردو ادب'' پروفیسر حامدی کاشمیری سال اشاعت ۱۹۹۱ء صفحہ ۶۹

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جہاں تک اردو شعر و ادب کا تعلق ہے اہل کشمیر نے اس کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں ۔حق تو یہ ہے کہ کشمیر کی خدمات کا ذکر کئے بغیر اردو ادب کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی ۔ کشمیر نے اردو ادب کو کئی ایسے عظیم المرتبت شاعر اور ادیب دیئے ہیں۔ جنھوں نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے اسے توانائی ،وسعت اور جامعیت عطا کی ہے۔دیا شنکر نسیم، تربھون ہجر، سرشار ،آغا حشر کاشمیری ، چراغ حسن حسرت، ڈاکٹر اقبال، چکبست ،علامہ کیفی اور دوسرے بہت سے ایسے ستارے ہیں جو افق کشمیر سے طلوع ہوئے اور پورے ہندوستان کو منوّر کر گئے ۔

یہاں پر ہم خاص طور پر ان شاعروں اور ادیبوں کا ذکر کریں گے جو ریاست میں پیدا ہوئے ،یہیں پلے بڑھے اور لکھتے رہے ،یہ تمام شعراء مستقل طور پر ریاست میں رہے، گھر کے اندر باہر مادری زبان بولتے رہے لیکن فکر و خیال کے نقوش اردو کے دامن پر ابھارتے رہے یہ نقوش اتنے دلکش اور البیلے ہیں کہ رفتہ رفتہ لکھنؤ اور دلی کے اردو دان حلقوں کی توجہ انکی طرف مبذول ہوگئی ۔ انیسویں صدی کے اواخر سے بیسویں صدی کے اوائل تک شعراء کی خاصی تعداد سامنے آئی ۔ان میں سب سے اہم نام پنڈت ہرگوپال خستہ کا ہے جو اس عہد کے سب سے اہم ادیبوں میں جانے جاتے ہیں ۔ وہ کشمیری الاصل تھے اور اعلیٰ پایہ کے نثر نگار اور شاعر تھے ان کی ’’ گلدستۂ کشمیر‘‘ اردو نثر میں غالباً کشمیر کی پہلی تاریخ ہے ۔اس بارے میں ڈاکٹر برج پریمی لکھتے ہیں:

> ’’خستہ کے کئی نثر کارنامے ہیں ان کی ’’ گلدستہ کشمیر‘‘ اردو نثر میں غالباً کشمیر کی پہلی تاریخ ہے جو عہد قدیم سے لیکر مہاراجہ پرتاب سنگھ کے عہد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کا احاطہ کرتی ہے یہ کتاب ۱۸۸۳ء میں لاہور سے شائع ہوئی خستہ رنبیر سنگھ کے عہد کے چشم دید گواہ تھے اس لئے تاریخی اعتبار سے بھی اس کتاب کی بڑی اہمیت ہے کتاب نہایت شستہ اور صاف ستھری زبان میں لکھی گئی ہے اور ثقالت سے پاک ہے جو اس سے قبل کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔ اردو کے نثری شعبے میں یہ قابل قدر کارنامہ ہے''[1]

۱۹۴۷ء میں اردو زبان کو ریاست میں سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔ ٹیلی ویژن، ریڈیو اور انفارمیشن کے زیر اہتمام بھی اردو ادب کی مقبولیت میں خاصا اضافہ ہوا اور رسائل جاری ہوئے ان حالات میں شعر و ادب کی ترقی و ترویج کے امکانات روشن تر ہوئے۔ انیسویں صدی کے اواخر سے بیسویں صدی کے اوائل تک شعراء عام طور پر پرانے رنگ میں لکھتے رہے۔ غزل ان کی محبوب صنف رہی لیکن یہ نظمیں بھی لکھتے رہے ہیں غزلوں میں یہ روایتی انداز میں عشق، بے ثباتی دنیا موت اور تصوف کے مضامین نظم کرتے رہے ہیں۔ ان شعراء میں پنڈت ہرگوپال خستہ، صادق علی خان، مرزا مبارک بیگ، مرزا سعد الدین سعد، راجہ شیر علی خان، تاراچند ترژل، کاشی ناتھ ترژل خوشتر، خانصاحب منشی سراج الدین، خوشی محمد ناظر، قمر کمرازی، ڈاکٹر عماد الدین سوز، حبیب کیفوی، قیس شیروانی اللہ رکھا ساغر، حمید نظامی اور غلام حیدر چشتی قابل ذکر ہیں۔

۱۹۴۷ء سے پہلے شعراء کی ایک خاصی تعداد سامنے آئی اور وہ برابر شعر گوئی میں مصروف رہے ان میں کشن لعل حبیبؔ، کشن سمیل پوری، ہدایت اللہ فوق، قیس شیروانی، رسا جاودانی، نرسنگھ داس نرگسؔ، میکش کاشمیری، غلام رسول تنہاؔ، دینا ناتھ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مستؔ، عشرت کاشمیری، تنہا انصاری، منوہر لال دلؔ، اللہ رکھا ساغرؔ، کیف اسرائیلی مولانا چراغ حسن حسرت، دینا ناتھ رفیقؔ، نند لال کول طالبؔ، نند لال کول بے غرض شہ زور کاشمیری، میر غلام رسول نازکی، مرزا کمال الدین شیداؔ، وشوا ناتھ، غ م، طاؤس، شیخ غلام علی بلبلؔ کاشمیری خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان تمام شعراء کے شعری مجموعے منظر عام پر آئے۔ ان میں غلام حسین تنہا کا ''شبنمشان'' غلام رسول نازکی ''کا دیدۂ تر'' نند لال کول طالبؔ کا ''رشحات قلم'' قمر کمرازی کا ''ارمغان کشمیر''، کشن سمیل پوری کا ''فردوس وطن'' رسا جاودانی کا ''نیرنگ غزل'' اور نظم ثریا'' منوہر لال دلؔ کا ''نقد دل'' دینا ناتھ رفیقؔ کا ''سنبل وریحان'' نند لال کول بے غرض کا ''ترانۂ بے غرض غ،م طاؤس کا ''موج موج'' شیخ غلام علی بلبلؔ کا ''خندۂ گل'' قابل ذکر ہیں۔

اس دور کے مشہور شعراء نے بہت اچھی نظمیں لکھ کر اردو شاعری کا میدان بہت وسیع کر دیا۔ یہ اپنے خیالات اور محسوسات کو اردو کا جامہ پہناتے رہے اور ان کا تخلیقی سفر برابر جاری ہے۔ ان میں شوریدہ کاشمیری، سیفی سوپوری، اندر جیت لطف، عرش صہبائی، عابد مناوری، قاضی غلام محمد، نشاط انصاری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

وادیٔ کشمیر کے رہنے بسنے والوں کو علم وفضل، شعر وسخن اور فنون لطیفہ سے ایک طرح کا فطری لگاؤ ہے، چونکہ یہ خطۂ جنت نظیر بڑی بڑی پہاڑیوں اور دشوار گذار راستوں سے محصور رہا ہے اس لئے یہاں کے شاعر، ادیب اور فن کار بیرونی دنیا سے بالکل علیٰحدہ رہے ہیں۔ ان کے فطری جوہر یہاں کے لاتعداد پھولوں اور رنگ ونکہت کی بہاروں کی طرح ہیں جو اپنی چمک دمک دکھا کر رہ جاتے ہیں اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

باہر کی دنیا پوری طرح ان سے لطف اندوز نہیں ہوسکتی۔

یہاں کے کتب خانے یہاں کے شاعروں کے شاہکار اور صاحب کمالوں کی تخلیقات ہر دور کے دیدہ وروں اور صاحبان ذوق کی تشفی کرتی رہی ہیں۔ اہل کشمیر قدرت کی تمام نعمتوں سے دل کھول کر استفادہ کرتے ہیں۔ ان کو اسکی پرواہ نہیں ہے کہ دوسرے ان کی قدر کریں یا ان کی خوبیوں سے لطف اندوز ہوں۔ وہ خود لطف حاصل کرنا جانتے ہیں اور اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں۔

یہاں کے ایسے مست الست لوگوں میں قاضی غلام محمد کا نام سرفہرست ہے۔ پروفیسر قاضی غلام محمد کا نام نہ صرف ہماری یونیورسٹی میں زبان زد عام ہے بلکہ باہر کی یونیورسٹیوں میں بھی لوگ قاضی صاحب کے نام سے واقف ہیں۔ قاضی صاحب نے تعلیمی دنیا میں بہت نام کمایا آپ ریاضی کے چوٹی کے اساتذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اس مضمون میں آپ نے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ریاضی کے مشکل ترین مسائل کے لئے طلبا اور اساتذہ قاضی صاحب سے مشورہ کرتے تھے۔

پروفیسر قاضی غلام محمد نے مستند اور مشہور و معروف ریاضی دان ہونے کے علاوہ نثر نگاری میں بھی اپنا لوہا منوایا لیکن ان کی شہرت اور مقبولیت بحیثیت شاعر کے زیادہ ہوئی۔ قاضی صاحب نے علی گڑھ میں زمانۂ طالب علمی سے ہی شعر وسخن کی محفل میں بحیثیت شاعر قدم رکھا۔ علم وادب سے قاضی صاحب کا لگاؤ پہلے سے ہی تھا۔ بچپن سے انھیں سینکڑوں شعراء کے شعر ازبر تھے۔ ان کی شاعری کا باقاعدہ آغاز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں طالب علمی کے زمانے میں ہوا۔ اور ابتداء ہی سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شعروادب کی دنیا میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔

قاضی غلام محمد کا اردو اور فارسی کا مطالعہ بہت وسیع اور خاص طور پر غالبؔ کی شاعری میں نئی معنویت کی تلاش ان کی ذہانت کی نمایاں خصوصیت ہے۔ غالبؔ ان کی زبردست کمزوری تھے چنانچہ عموماً کہا کرتے تھے کہ کوئی ایسی SITUATION نہیں ہے جس پر غالبؔ نے کوئی شعر نہ کہا ہو۔ غالبؔ کی شاعری کو سمجھانے کے لئے وہ کبھی کبھی ریاضی کا بھی سہارا لیتے تھے اور غالبؔ کے اشعار کی ایسی تاویلیں کرتے تھے جس کی طرف دوسروں کا دھیان بہت کم جاتا تھا۔ قاضی صاحب کا یہ شعر

پہلے تو مبہوت ہوئی پھر ناچی ساتھ
میں نے موت کے گھر میں جاکر رقص کیا

اس شعر کو پڑھتے ہی ذہن میں غالبؔ کا یہ شعر آتا ہے ؎

غالبؔ بدین نشاط کہ وابستہ ''کہ''
بر خویشتن ببال و بہ بند بلا برقص

اس پر ڈاکٹر عروج اختر زیدی لکھتے ہیں:

''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کا شعر غالبؔ کے حکم خویشتن ببال و بہ بند بلا برقص کی تعمیل میں سرزد ہوا ہے..... غالبؔ سے عشق ہو تو ایسا کہ موت کے نرغے میں بھی ان کے تخلیل میں غالب ہی بسا ہوا تھا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور ذہن میں اسکے افکار محفوظ تھے ۔اس فکر اور اس تیور کا شعر قاضی صاحب ہی کہہ سکتے ہیں۔ [1]

قاضی صاحب کو فارسی اور اسکے کلاسیکی ادب ، بالخصوص شاعری پر ان کی نظر بہت گہری ہے ۔چنانچہ بیشتر فارسی شعراء کا کلام خاص طور سے حافظؔ انہیں ازبر تھے عموماً ایسے غیر معروف شعرا کے شعر زبانی یاد تھے کہ لوگ عش عش کرتے تھے کسی شعر پر اختلاف ہوتو فیصلہ قاضی صاحب کو صادر کرنا ہے اور قاضی صاحب کی رائے حتمی سمجھی جاتی تھی ۔ڈاکٹر عروج اختر زیدی '' حماد بادگرد'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔:

''بیسویں صدی میں شاید ہی کوئی ادیب ایسا ہو جس نے فارسی ادب اور خصوصاً عرفیؔ ونظیریؔ و غالبؔ کو اتنی محبت اور محنت سے پڑھا ہو یہ شاعر اور ان کے افکار قاضی صاحب کے انگ انگ میں سمائے ہوے تھے اور بات چیت کے وقت ان کے حافظہ سے پھوٹتے رہتے تھے ۔وہ حرفِ شیرین کا کلام ہو یا'' حمام بادگرد''ان کی فکر ونفس و اسلوب پر ان اساتذہ کی مہر اتنی گہری اور مضبوط تھی جیسے وہ ان کے ہی جلیس ہوں بیسویں صدی کے شعراء میں وہ صرف اقبالؔ کے معترف ہیں اور اس کا اثر ان کے کلام وافکار پر واضح ہے''۔ [2]

قاضی صاحب کے کلام کے تین مجموعے شائع ہوئے ہیں ۔''حرف شیرین''

---

[1] ''حمام بادگرد'' پروفیسر قاضی غلام محمد۔ پیش لفظ ڈاکٹر عروج اختر زیدی، ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۰

[2] ۔ ''حمام بادگرد'' پیش لفظ۔ ڈاکٹر عروج اختر زیدی، ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۱۔۱۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''حماد باد گرد'' اور کشمیری شعری مجموعہ ''صورت خانہ'' قاضی صاحب کو شعر وسخن کا بہت صاف ستھرا ذوق نصیب ہوا تھا اور شعر فہمی میں بھی بہت تیز تھے۔

لیکن ان کا رجحان مزاح اور طنز کی طرف زیادہ رہا۔ پیروڈی جو ایک مشکل فن ہے اس میں قاضی صاحب کو خصوصیت حاصل ہے اس اعتبار سے ہندو پاک کے شعراء میں انھوں نے ایک مقام پیدا کرلیا۔

اردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت پرانی سہی لیکن اس صنف میں نثری کارناموں کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہے۔ شاعری میں یہ طنز و مزاح ہجویات کی صورت میں جلوہ گر ہے لیکن نثر کا دامن ابھی کوتاہ ہے اور طنز و مزاح کے باب میں شاعری کا دامن تقریباً خالی نظر آتا ہے۔ اودھ پنچ کی مساعی کے بعد بیسویں صدی کے ادیبوں نے اس طرز تحریر کی طرف توجہ کی۔ اور بلا شبہ اسے قابل رشک بنایا۔ رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، مرزا فرحت اللہ بیگ، عظیم بیگ چغتائی، اور شوکت تھانوی نے اپنے قلم سے طنز و مزاح کی کلیوں کو چھیڑ کر گلستان بنایا ہے۔ اس ضمن میں کرشن چندر کنہیالال کپور اور شفیق الرحمٰن کے نام سرفہرست آتے ہیں۔

طنز و مزاح جب ادبی ظرافت کا روپ اختیار کرتے ہیں تو ان کی کئی صورتیں سامنے آتی ہیں۔ جن کی مدد سے ظریفانہ ادب منظر عام پر آتا ہے ان ہی مختلف صورتوں میں ایک صورت ''پیروڈی'' ہے۔ اپنی مقبولیت کی بدولت آج پیروڈی ادبی صنف کا درجہ رکھتی ہے اور جیسے جیسے زمانہ گزرتا جارہا ہے۔ اسکی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے شعر و ادب میں پیروڈی کی مثالیں ابتداء سے موجود ہیں۔ موجودہ دور میں تو چند شعراء و ادیب صرف پیروڈی نگاری کی وجہ سے اپنا مقام

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بناتے ہیں۔ یہ صنف پہلے مغربی ادب میں آئی اور پھر مشرق والوں نے لے لی۔ پیروڈی لفظ اصلاً یونانی ہے۔ جسے انگریزی نے اپنایا ہے۔ اردو میں بھی یہ لفظ اس مخصوص صنفِ ادب سے متعلق ہے۔ اردو میں پیروڈی کے متبادل الفاظ مضحک نقالی، تقلید یا خاکہ اڑانا یا ہجو استعمال کئے جاتے ہیں۔

لفظ پیروڈی یونانی زبان سے ماخوذ ہے۔ یونان قدیم میں پیروڈی ایسے نغمے یا گیت کو کہا جاتا تھا جو کسی گاتے ہوئے گیت کی سنجیدگی اور نغمے کی مقدس فضا اور اسکے سحر آفرین تاثر کے جادو کو توڑنے کے لئے گایا جاتا تھا۔ پیروڈی سے وہ صنف سخن مراد لیتے ہیں جس میں کسی ادب پارے کی ادبی نقالی کی جائے اور مخصوص ادب پارے سے مخالف جذبات کو تحریک ملے۔ بقول آل احمد سرور اس میں اسلوب کے ساتھ ساتھ فکری اور فنی محور ہو۔ رشید احمد صدیقی کا خیال ہے کہ کسی شاعر یا مصنف کی پیروڈی کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اسکے کلام کا غیر معمولی چرچا ہے۔ پیروڈی کا اصل تعلق تنقید سے ہے۔ یہ تنقید کی سب سے لطیف اور موثر صنف ہے۔ پیروڈی کے ذریعے ہنسی ہنسی میں ایسی تنقید ممکن ہو جاتی ہے جو عام حالات میں شاید قابل قبول نہ ہو۔ ڈاکٹر قمر رئیس کے نزدیک پیروڈی کی بنیاد شعر و ادب کا کوئی خاص اسلوب، رجحان یا کوئی اہم فن پارہ ہوتا ہے۔ پیروڈی اسکی کمزوری کو عیاں کرتی ہے۔ وہ معاصر ادیبوں اور شاعروں کے یہاں پائی جانے والی بے اعتدالیوں کو روکتی اور ان میں توازن پیدا کرتی ہے۔ ساتھ ہی شعراء کے انداز تحریر کے لئے فنی اسالیب کی ماہرانہ بصیرت اور شعر و ادب کا اچھا خاصا مذاق جیسی صلاحیتیں ہونی ناگزیر ہیں۔ اگر پیروڈی نگار میں یہ صلاحیتیں نہیں ہیں تو وہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پیروڈی کے فن کا حق ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔

پیروڈی نگار جس ادب پارے کی پیروڈی کرتا ہے اس سے اسکا تعلق ہمدردانہ ہونا چاہیے تب ہی وہ توازن برقرار رکھ سکے گا۔ اگر یہ ہمدردانہ روّیہ نہ ہوتو پیروڈی نقالی اور حقارت آمیز جذبے کے سبب اپنی اہمیت کھو بیٹھے گی۔ بقول آل احمد سرور پیروڈی میں بد نیتی کی گنجائش نہیں۔ اگر پیروڈی نگار بدنیت ہوگا تو ذاتی بغض وعناد نمایاں ہو جائے گا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیروڈی نگار جس ادیب یا شاعر کی پیروڈی کر رہا ہے وہ اسے پسند کرتا ہے وہ اسکے اسلوب اور فن کا دیوانہ ہے۔

پیروڈی کا فن بہت نازک فن ہے اسکی مثال پل صراط پر چل رہے شخص سے دی جاسکتی ہے اگر ذرا بھی قدم ڈگمگائے تو جہنم کی آگ اسے اپنی آغوش میں لے لیگی اور اگر توازن قائم رہا تو جنت اسکی منتظر ہوگی۔ پیروڈی نگار کو زندگی کے تمام شعبوں پر گہری نظر رکھنی چاہیے تا کہ وہ اپنے ذہن وشعور میں تنقیدی صلاحیت پیدا کرلے اور پیروڈی لکھتے وقت اسکو بروئے کار لائے

"PARODY HAS BEEN DEFINED AS THE EXAGGERATED IMITATION OF A WORK OF ART 'LIKE CARICATURE IT IS BASED ON DISTORTION"

---

1 Princeton Encyclopedia of Poetry and Poetics. Edited by Alexpreminger enlarged Edition. 1974

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اردو شاعری کی تاریخ میں پیروڈی کے ابتدائی نقوش اودھ پنچ کے شعراء کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ اودھ پنچ کو یہ فوقیت حاصل رہی ہے کہ اسی کے ذریعے پہلی بار طنز و مزاح کی اہمیت کو سمجھا گیا۔ اکبر الہ آبادی کا تعلق بھی اسی اخبار سے تھا جو طنز و مزاح کی تاریخ میں کلاسک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آزادی کے بعد کا دور اردو پیروڈی کی تاریخ کا سنہری دور کہا جا سکتا ہے پیروڈی نگاری کا چلن عام ہو گیا۔ اور بڑی تعداد میں شعراء نے اس فن میں طبع آزمائی شروع کی۔ پیروڈی نگار شعراء کے سامنے ان شعراء کا کلام تھا جو عوامی سطح پر مشہور تھا لہٰذا بڑی تعداد میں شعراء نے پیروڈیاں لکھیں اور پھر یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔ نثر میں بھی، اردو میں پیروڈیاں لکھی گئیں۔ خاص طور سے مولانا ابوالکلام آزاد کی ''غبار خاطر'' کی پیروڈی شوکت تھانوی نے ''بار خاطر'' کے نام سے کی۔

جموں و کشمیر میں صنف پیروڈی کی طرف جن شعراء نے قدم بڑھائے ان میں قاضی صاحب کا نام سرفہرست ہے۔ پیروڈی جو ایک مشکل فن ہے اس میں قاضی صاحب کو ایک خاص ملکہ حاصل ہے اس اعتبار سے ہندو پاک کے شعراء میں انھوں نے ایک مقام حاصل کیا ہے۔ پیروڈی میں لفظوں یا اصل مطالب کو مسخ کر کے جو لطف پیدا کیا جاتا ہے وہ ستا مذاق ہوتا ہے مگر قاضی صاحب کے یہاں آمد ہوتی ہے۔ سنجیدہ شعراء کے سنجیدہ تصورات کو مضحک مرتبے پر لانے کا قاضی صاحب کا اپنا اسلوب ہے۔ اکثر سماجی مسائل کو ابھارتے ہیں۔ غالبؔ کے مشہور اشعار کی پیروڈی ملاحظہ کریں:

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میرے ماتم میں نہیں اپنی رقم کے غم میں
شہر کا بنیا سیاہ پوش ہوا میرے بعد

محبت کو کیا کوئی تم نے ٹگ آف وار سمجھا ہے
نہ کھینچو آپ اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

قاضی صاحب نے اختر شیرانی کی مشہور نظم ''اودیس سے آنے والے بتا'' کی بڑھتی ہوئی رومانیت پر اچھا اور کامیاب وار کیا ہے۔ یہاں الفاظ کے پھیر بدل کے ساتھ چند مضحکہ خیز واقعات کو بھی جگہ دی گئی ہے اور در پردہ اسکالر شاعر، شوہر، لیڈر وغیرہ طنز کا نشانہ بنے ہیں اور ساتھ ہی منظر نگاری کے ذریعے بھی رومانیت کی مضحکہ خیزی بیان کی گئی ہے قاضی صاحب نے اس نظم کا حلیہ یوں بگاڑا ہے:

اسکالر اب بھی وہاں ہر گنجا سر
اسکالر سمجھا جاتا ہے
کیا اب بھی وہاں کا ہر ایم اے
غالبؔ پر کچھ فرماتا ہے
اور جہل کی ظلمت میں کھو کر
اقبالؔ سے بھی ٹکراتا ہے[1]

قاضی صاحب نے نظم ''موت'' کے عنوان سے جذبیؔ سے معذرت کرتے ہوئے مختلف طبقات کے تاثرات کا ان کی زبان سے جو اظہار کیا ہے ان میں وزیر

---

[1] ''حرف شیریں'' قاضی غلام محمد صفحہ ۴۱۔۴۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کا تاثر کتنا حقیقت پسندانہ ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہو ؎

وزیر: اک شبستانِ تمنا ہے جہاں کچھ بھی نہیں
برنہ آئی ہوئی امیدوں سے ہوں غم آگیں
اف یہ پھیلی ہوئی شاداب و خوش آیند زمین
اس پر دو چار محل اور بنالوں تو چلوں

پیروڈی ''موت'' جذبی کی نظم ''موت'' کی عمدہ پیروڈی ہے۔ اس نظم میں تو چلوں کی تکرار سے قاضی صاحب نے مزاحیہ رنگ اختیار کیا ہے ان کی اس پیروڈی میں جدت اس طرح نمایاں ہے کہ ہر بند کو کسی خاص شخص سے منسوب کیا گیا ہے۔ مثلاً واعظ، وزیر، کلرک، شوہر، مسٹر ہر شخص جذبی کی طرح جانے کی جلدی میں ہے مگر بہت سے کام باقی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مضحکہ خیز صورتِ حال پیدا ہو رہی ہے ''نیا آدمی نامہ'' نظیر اکبر آبادی کے آدمی نامے کا جدید روپ ہے۔ اس میں مسٹر دہلوی کی طرح موضوع کو سنجیدہ ہی رہنے دیا گیا ہے اور یہاں بھی کلرک، ملا، شاعر اور نقاد ان کے طنز کا نشانہ بنے ہیں۔ الفاظ کے ردّ و بدل کا اچھا نمونہ ان کی پیروڈیاں پیش کرتی ہیں۔ قاضی صاحب کی پیروڈیوں کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ وہ سماج کے خاص اشخاص کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قاضی غلام محمد کی پیروڈیوں میں لفظی و موضوعاتی پیروڈیوں کی خوبیاں یکجا ہو کر ابھری ہیں۔

ڈاکٹر اپورب سومناتھ[1] اس کتاب کے پیش لفظ میں پیروڈی اور مزاح

---

[1] ڈاکٹر اپورب سومناتھ جو پہلے جموں و کشمیر میں انگریزی کے استاد تھے اور جموں یونیورسٹی میں شعبہ انگریزی کے صدر رہے ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نگاری کے نازک فرق پر روشنی ڈالتے ہوئے قاضی کی پیروڈی کی تکنیک کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''وہ قدیم شعراء کے رومانی تصوّرات اور موجود حقائق کے درمیان تضاد کو واضح کر کے استہزا پیدا کرتے ہیں۔ قاضی صاحب کا ایک طریقہ غلو کے استعمال کا ہے، جسے وہ طنز کے حربے کے طور پر استعمال کرتے ہیں''۔[1]

ڈاکٹر زورؔ صاحب قاضی صاحب کی مزاحیہ اور طنزیہ صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ انھوں نے اس زمانے کے اس ہونہار سخن سنج کی بجا طور پر ہمت افزائی کی اور قاضی اور دوسرے لکھنے والوں کے ذہن سے اس احساس پستی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح قاضی صاحب نے شعر وسخن کی دنیا میں ایک اعلیٰ مقام پایا۔ قاضی صاحب کی پیروڈیوں کی خوبی یہ ہے کہ ان میں تنوع پایا جاتا ہے اور یہ تنوع دو طرح کا ہے۔ یہ حقیقت مسلم ہے کہ قاضی صاحب نے جو پیروڈیاں لکھیں وہ الگ الگ شعراء کی تخلیقات کی تھیں۔ اخترؔ شیرانی، نظیر اکبر آبادی، جذبیؔ وغیرہ جبکہ اکثر پیروڈی نگار شعراء کا ایک پسندیدہ شاعر ہوتا ہے جن کی مختلف نظموں کی وہ پیروڈی کرتا چلا جاتا ہے قاضی صاحب نے بیک وقت کئی شعراء کو پیروڈی کا نشانہ بنایا ہے۔ یوں تو ان کی پیروڈیاں لفظی زیادہ لگتی ہیں۔ مگر ساتھ ہی موضوعات میں جدت طرازی کا احساس نمایاں رہتا ہے قاضی صاحب کے پیروڈی کے بارے میں پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب یوں رقمطراز ہیں:

---

[1] کشمیر میں اردو'' پروفیسر عبدالقادر سروری ۱۹۸۴ء صفحہ ۱۳۴۔۱۳۳ (اپورب سومناتھ نے پیش لفظ انگریزی میں لکھا ہے۔ یہاں پر اس عبارت کا ترجمہ دے دیا گیا ہے جو سروری صاحب نے اقتباس کیا ہے)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''پیروڈی جو ایک مشکل فن ہے۔ اس میں قاضی صاحب کو ایک خصوصیت حاصل ہے۔ اس اعتبار سے ہند پاک شعراء میں انہوں نے ایک مقام پیدا کرلیا ہے پیروڈی میں لفظوں یا اصل کے اظہاروں کو مسخ کر کے جو لطف پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ سستا مذاق ہوتا ہے۔ قاضی صاحب کے یہاں آمد ہوتی ہے سنجیدہ شعراء کے سنجیدہ تصورات کو مضحک مرتبے پر لانے کا قاضی کا اپنا اسلوب ہے۔ بالخصوص ہمارے موجودہ عہد کے بعض اچھے پیروڈی لکھنے والے شاعروں، جیسے سید محمد جعفری، شفیق الرحمٰن، سید ضمیر جعفری سے کسی حد تک متاثر ہیں۔ قاضی کی ذکاوت مضحک موقف پیدا کرنے کے گروں کو بخوبی جانتی ہے۔ کبھی سنجیدہ موضوعات کے چہرے سے بظاہر سنجیدگی کا نقاب ہٹا کر خندہ زیریں کے مواقع پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کا مقصد اکثر اپنے اطراف کے سماجی مسائل کو ابھارنا ہوتا ہے'' [1]

قاضی صاحب کا کلام جو ۱۹۶۲ء تک جمع ہو گیا تھا اسے انھوں نے ''حرف شیریں'' کے نام سے مرتب کرلیا تھا۔ اس مجموعہ کو ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ نے ڈاکٹر اپورب سومناتھ استاد انگریزی کے پیش لفظ اور اپنے تعارف کے ساتھ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد کے سلسلہ مطبوعات میں شائع کیا ہے اس بارے میں سید محی الدین قادری زور صاحب ''حرف شیریں'' کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''جب میں نے ان کا کلام سنا اور پڑھا تو محسوس ہوا کہ ایک خشک

---

[1] ''کشمیر میں اردو'' پروفیسر عبدالقادر سروری۔ تیسرا حصہ سال ۱۹۸۴ء صفحہ ۱۳۱۔۱۳۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مضمون کے استاد میں ایک اعلیٰ پایہ کا باشعور اور دیدہ ور شاعر چھپا ہوا ہے۔ایک ایسا شاعر جس کو نہ اپنے کلام کی خوبیوں پر ناز و افتخار ہے اور جو نہ اپنے ہم چشموں کی تحسین و آفرین کا محتاج و منتظر ہے۔ وہ شعر لکھتا ہے اور خود ہی اس سے محظوظ ہو کر مگن رہتا ہے۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا ''[1]

''حرف شیریں'' کا حصہ اول مزاح کی چاشنی رکھتا ہے اس میں گیارہ نظمیں اور چھ غزلیں شامل ہیں ، دوسرے حصے میں تقریباً بیس غزلیں ہیں قاضی غلام محمد صاحب کا مزاحیہ کلام اپنے خاکستر میں ذہانت اور شوخی کی چنگاریاں لئے ہوئے ہے اور ایک سنجیدہ ذہن کا ردعمل معلوم ہوتا ہے۔عموماً اپنے تفنن طبع کا ذریعہ بنتا ہے اور بسا اوقات اپنے احباب کے لئے بھی سامانِ لطف فراہم کرتا ہے۔

قاضی صاحب کی سنجیدہ شاعری میں وہ شگفتگی نہیں ہے جو ان کے مزاحیہ کلام میں نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کا تعارف بھی اس مختصر مجموعہ کلام کی زینت ہے اور انہیں کی بدولت یہ مجموعہ کلام ہم تک پہنچا۔ اس کی اشاعت کیسے ہوئی اس بارے میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صاحب نے تعارف میں لکھا ہے:

''جب میں نے ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد میں مطبوعات کشمیر کا ایک شعبہ قائم کرایا تو خیال ہوا کہ قاضی صاحب کا مزاحیہ کلام بھی اس سلسلے میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ گذشتہ دسمبر میں ان سے خواہش کی تھی کہ اپنا مجموعہ مرتب کر دیں ،مگر قاضی صاحب برابر ٹالتے رہے ،جب اس

---

[1] ''حرف شیریں'' پروفیسر قاضی غلام محمد۔ اشاعت ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۲

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سلسلے کی دو کتابیں نیل کنول مسکائے اور مہینوں کی کہانیاں چھپ گئیں اور میں نے ان کو پھر توجہ دلائی تو رفتہ رفتہ متوجہ ہوئے اور بمشکل تمام مئی کے آخر میں اپنا مسودہ مرتب کر دیا جو حرف شیریں کے نام سے شائع ہوا۔''[1]

حرف شیریں کا حصہ دوم بھی اس میں شامل ہے جس میں قاضی غلام محمد کا سنجیدہ کلام شائع کیا گیا ہے۔ قاضی صاحب کا بیان قدیم اور جدید اسالیب سخن کے ایک ایسے امتزاج سے معمور ہے جو ایک فطرتی اور بے لوث شاعر ہی کے موئے قلم کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ وہ شاعری کے ساتھ ساتھ نقاشی بھی کرتے ہیں اور اپنے تو بڑے سے اپنے ماحول کے ایسے رنگارنگ نقشے صفحہ کاغذ پر بکھیر دیتے ہیں جو کشمیر کے دوسرے فنکاروں کی صنعت گری اور نقش و نگار سے زیادہ دیرپا دوررس اثرات کے حامل ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر زورؔ صاحب نے لکھا ہے:

''قاضی غلام محمد کا سنجیدہ کلام بھی اعلیٰ پایہ کا ہے اگرچہ ریاضی کے استاد ہیں لیکن ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو اور فارسی ادب پر ان کی گہری نظر ہے۔ وہ نہ صرف طربیہ اور طنزیہ صنف سخن پر قدرت رکھتے ہیں بلکہ ان کا سنجیدہ کلام بھی قابل تعریف ہے۔''[2]

---

[1] ''کشمیر میں اردو'' حبیب کیفوی سال اشاعت بار اول۔ اپریل ۱۹۷۹ء تعارف ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ، صفحہ ۴۵۶

[2] ہفت روزہ استقلال۔ ۲۶ جولائی تا ۲ راگست ۱۹۸۳ء، تحریر کلیم اختر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قاضی صاحب کی سنجیدہ شاعری داد کے قابل ہے نئی علامتوں اور نئی ترکیبوں سے وہ اپنے تاثرات کو شعری جامہ پہنانے میں بڑے کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں جو تعداد میں بہت مختصر ہیں، غم زمانہ بھی ہے اور غم جاناں بھی، گہرائی بھی ہے اور نغمگی بھی۔ چند اشعار ذیل میں درج ہیں ؎

- دل تیری وفاؤں کو بہت یاد کرے گا
  جو تیری جفا ہے اسے کم یاد رہے گی [1]

- گو میرے شب و روز کا عنوان ہے سیاہی
  تابانیٔ رخسار صنم یاد رہے گی [2]

- پابندی اوقات دعا کس کیلئے ہے
  راتوں کی عبادت کا صلہ کس کیلئے ہے
  ہیں کس کیلئے مدھ بھری آنکھوں کے اشارے
  گلنار سے ہونٹوں کی فضا کس کیلئے ہے [3]

- جانکاہیٔ شب ہائے الم یاد رہے گی
  ہر سانس کو وہ تیغ دو دم یاد رہے گی [4]

---

[1] ''حرف شیریں'' قاضی غلام محمد صفحہ ۵۷

[2] ''حرف شیریں'' قاضی غلام محمد صفحہ ۵۶

[3] ''حرف شیریں'' قاضی غلام محمد صفحہ ۵۵

[4] ''حرف شیریں'' قاضی غلام محمد صفحہ ۵۵

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

- باندھا تھا کس شوخ سے پیمان تمنا
رنگیں ہے مرا عالم امکان تمنا [1]

قاضی غلام محمد نہایت ہی سنجیدہ فکر کے مالک تھے اور کشمیریوں کی محکومی اور مجبوری کو شدت سے محسوس کرتے تھے۔ قاضی غلام محمد ایک ایسے ادیب تھے جنہوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا اور زندگی کے مسائل پر نہ صرف غور وفکر کیا بلکہ اپنے مخصوص لب و لہجے سے ان پر روشنی ڈالی ہے ان کے کلام میں زندگی ہے اور زندہ دلی ہے۔ سید محی الدین قادری زور ''حرف شیریں'' کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> ''قاضی صاحب کے کلام میں زندگی اور زندہ دلی کے جن عناصر کی فراوانی ہے اس کلام کے مطالعے کے بعد نہ صرف آگاہی ہوتی ہے بلکہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایسی جاندار اور پُر لطف شاعری کس قسم کے ماحول میں نمودار ہوسکتی ہے'' [2]

قاضی صاحب کا اردو شاعری میں کیا مقام ہے اسکے بارے میں ڈاکٹر زور صاحب نے لکھا ہے:

> ''وہ اردو ادب کے جدید تقاضوں اور اردو کی مزاحیہ نظم ونثر کی کائنات سے بخوبی واقف ہیں پاکستان و ہندوستان کے اردو ادب اور ادیبوں سے ان کی خاصی جان پہچان ہے۔ وہ علی گڑھ میں بھی ایم، اے کی تعلیم

۱۔ ''حرف شیریں'' قاضی غلام محمد صفحہ ۶۱

۲۔ شیرازہ: شمارہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے سلسلہ میں قیام کر چکے ہیں اور ہندوستان میں اپنا ایک حلقۂ احباب رکھتے ہیں۔ مگر ان کی بے نفس گفتگو اور معصوم بلکہ مظلوم مسکراہٹوں کے باعث پہلی نظر میں ان سب باتوں کا اندازہ نہیں ہوتا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے وطن اننت ناگ اور سری نگر کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے[1]

قطعات پر بھی قاضی صاحب نے طبع آزمائی کی ہے لیکن اس صنف کی طرف انہوں نے خاص توجہ نہیں دی۔ چند قطعات لکھے جن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر چند قطعات درج ذیل ہیں۔

کاش رخصت سے قبل ہم دونوں
تپش شوق سے پگھل جاتے
مرمریں چاندنی میں حل ہو کر
اک روپہلی کرن میں ڈھل جاتے

بہنے دے خونِ ناب بہنے دے
آج زخموں کی بات رہنے دے
چاندنی رات ہے تو اے ہمدم
مجھ کو کچھ چاندنی سے کہنے دے[2]

---

[1] ہفت روزہ استقلال ۲۶ر جولائی تا اگست ۱۹۸۳ء تحریر کلیم اختر صفحہ ۱۰

[2] ''حرف شیریں'' پروفیسر قاضی غلام محمد۔ سال اشاعت ۱۹۶۲ء صفحہ ۷۳۔۷۳

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قاضی صاحب کو زبان اور اظہار پر بھی بڑی اچھی قدرت تھی۔ ان کے کلام میں بڑی پختگی پائی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ قاضی صاحب نے کچھ رباعیاں بھی کہی ہیں۔ چند مثالیں یہ ہیں:

اشعار بڑے نگار معنی کا جمال
افکار ترے جلال فردوس خیال
دیوانہ تیرا وہ آئینہ ہے جس میں
انسان نے شہر دل کی دیکھی تمثال

حالانکہ قاضی صاحب کے شعر بڑے سنجیدہ اور فلسفیانہ ہوتے ہیں مگر ان کے طنزیہ انداز نے شاعری میں ایک نئی روح پھونک دی۔ قاضی صاحب جس غیر شاعرانہ ماحول میں شاعری کرتے تھے اس بارے میں زورؔ صاحب لکھتے ہیں:

''اسکے بارے میں ایک آدھ بار جب میں نے ان سے دریافت کیا تو ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ زندگی کی تلخیوں اور خانگی پریشانیوں سے فرار کی خاطر ان کا ذہن مزاحیہ شاعری کی طرف راغب رہتا ہے۔ وہ بظاہر نہایت سنجیدہ اور غم زدہ انسان نظر آتے ہیں مگر اپنے ماحول اور پیشے کی خشکی دور کرنے کی خاطر تروتازہ اشعار سے اپنا دل بہلاتے ہیں۔[1]

قاضی صاحب کے یہاں آمد ہوتی ہے۔ سنجیدہ شعراء کے سنجیدہ تصورات کو مضحک مرتبے پر لانے کا قاضی کا اپنا اسلوب ہے۔ وہ ہمارے عہد کے شاعر ہیں اور اپنے عہد کے مسائل کو پیش کرتے ہیں جس طرح اکبر الہ آبادی کے اپنے عہد

---

[1] ''تعمیر'' اگست ستمبر ۱۹۶۲ء جلد ۷، شمارہ ۴۷۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ صفحہ ۱۹۔۱۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے مسائل تھے جنھیں انھوں نے اپنے طنز کا نشانہ بنایا تھا۔ قاضی صاحب نے بھی اپنی زندگی کی تلخیِ حقیقت کو طنزیہ طور پر بیان کیا۔

قاضی صاحب کی زندگی تلخیوں اور خانہ پریشانیوں سے بھری تھی۔ تلاشِ روزگار میں بھی قاضی صاحب کو نہ جانے کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ ہر دور میں بے روزگار نوجوانوں کو تلاش روزگار میں کسی نہ کسی انٹرویو بورڈ کے آگے پیش ہونا ضروری ہوتا ہے اور اس بورڈ میں جو مضحکہ خیز سوالات کئے جاتے ہیں اور امید واروں کے عقل وشعور اور صبر وقرار کو پرانے معشوقوں کے نت نئے اور متنوع انداز میں آزمایا اور پرکھا جاتا ہے۔ اس پر قاضی غلام محمد نے ایک جگہ بڑے ہی دلچسپ اور لطف انگیز انداز میں روشنی ڈالی ہے اور جو نظم لکھی ہے وہ اگر چہ پوری کی پوری زندہ دلی اور شگفتگی سے معمور ہے مگر اسکے چند شعر بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

فلسفہ کیا ہے ہم کو سمجھاو — سائیکل ٹیوب کا محیط بتاؤ
کیا تھا شیکسپیئر کی ساس کا نام — کس محلے میں کرتی تھی وہ قیام
کتے راتوں کو کیوں نہیں سوتے — سینگ گدھوں کے کیوں نہیں ہوتے
یہ اہنسا کا مسئلہ کیا ہے — قطب مینار کتنا اونچا ہے [1]

قاضی صاحب نے ایک اور نظم ناخواندہ مہمان پر سپرد قلم کی ہے اور چونکہ ہر شریف آدمی کو آئے دن ایسے مہمانوں سے سابقہ پڑتا ہے اس لئے گویا وہ قاضی صاحب کی آپ بیتی نہیں بلکہ جگ بیتی بن گئی ہے۔ اس نظم کے یہ تین چار شعر ہی شاید بہت سے پڑھنے والوں کو ان کے گذرے ہوئے واقعات اور بیتے ہوئے

[1] ''حرف شیریں'' پروفیسر غلام محمد۔ سال اشاعت ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۹۔۱۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لمحات کی یاد دلا دیں گے۔ یوں تو پوری نظم ایسے ہی اشعار سے مالا مال ہے۔ چند اشعار بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں:

میں اپنی بیوی سے گرم کلام تھا یارو
شبِ بہار تھی آیا جو ناگہاں مہماں
میں جتنی دیر میں پلٹا رسوئی خانے سے
نگل چکا تھا پلیٹوں کو نوجواں مہماں
غبارہ بن کے نہ اڑ جائے اب ترا بچہ
کہ کھا چکا ہے یہ دو سو چپاتیاں مہماں
لڑھک چکا ہوں میں سو بار سیڑھیوں سے آج
یہ میرا چشمہ لگا کر گیا کہاں مہماں [1]

قاضی صاحب نے بلی اور چوہے پر ایک دلچسپ مزاحیہ نظم لکھی ہے۔ گھروں کی رونق اور ویرانی بڑھانے میں صدیوں سے بلی اور چوہے حصہ لیتے رہے ہیں۔ اور دنیا کی اکثر زبانوں میں ان پر شعراء و نثر نگاروں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ غم زدہ من چلے ہر طرح کے شاعروں نے ان پر خیال آرائی کی ہے مگر قاضی صاحب نے ان کا جس طرح مشاہدہ کیا ہے اور ان کی جو شگفتہ تصویریں کھینچی ہیں وہ کسی زبان کے بھی شاعر کے اس قسم کے کلام کے مقابلے میں ہیٹی نہیں رہیں گی۔ بلّی کی نسبت انہوں نے یوں خوبصورتی سے نظم لکھی جس کا پہلا مصرعہ اختر شیرانی کی ایک مشہور نظم کا چربہ ہے ؎

---

[1] ''حرف شیرین'' پروفیسر غلام محمد۔ سال اشاعت ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۷

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تیرا جسم اک ہجومِ ریشم و کمخواب ہے بلّی
یہ تیری چال محبوبوں میں بھی کمیاب ہے بلی
تیرے پنجوں کے گن جب مجھ سے شاعر لوگ گاتے ہیں
گلابی ناخن تدبیر ان کو یاد آتے ہیں
اُچھل کر تیرے منہ میں خود ہی چوہا چلا آیا
وہ قید زندگی اور بند غم دونوں ہی سے چھوٹا
کبھی چوہوں کے رومانوں میں شامل ہوگئی تن کر
صفائی سے تو ہیرین کو لے بھاگی وِلن بن کر
تری طینت کی پاکی زہد کا ایمان ہو جائے
تری سنجیدگی پر فلسفی قربان ہو جائے [1]

چوہوں کا ذکر بھی انہوں نے بہت دلچسپ انداز میں کیا ہے شاعر نے اپنے ''کرایہ کے مکان'' کی عکاسی کرتے ہوئے اس نظم میں چوہوں کا ذکر یوں کیا ہے کہ یہ نظم ایک مزاح پارہ بن گیا ہے۔

یہاں چوہوں کے بل اتنے بڑے ہیں
کئی ثابت قدم ان میں گرے ہیں
مجھے بھی دور کی اک روز سوجھی
کسی بل کو میں کھودوں جی میں آئی
جو کھودا چشمِ حیران نے دیکھا

---

[1] ''حرف شیرین'' قاضی پروفیسر غلام محمد۔ سال اشاعت ۱۹۶۲ء صفحہ ۲۱۔۳۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کہ اک لیڈر نما موٹا سا چوہا
دبائے منہ میں اک خاصہ بتاشا
میرے موزے پہن کر جا رہا تھا
وہیں اک چوہیا نکلی کہیں سے
ٹپکتا ناز تھا اسکی جبین سے
بسا تھا عطر میں ہر ریشہ اسکا
پرے تھا عرش سے اندیشہ اس کا
بہت بن ٹھن کے نکلی تھی بچاری
میاں چوہے نے فوراً آنکھ ماری
نگاہِ غیر سے شرما گئی وہ
میاں چوہے سے پھر ٹکرا گئی وہ [1]

میر تقی میرؔ نے اپنے مکان کی خرابی کا ذکر ایک اور ہی انداز میں کیا تھا۔ قاضی غلام محمد کو بھی شاید ویسے ہی یا اس سے بھی برے مکان میں زندگی گزارنی پڑی ہے مگر وہ اپنی فطرت کے رجائی انداز میں اسکی زحمتوں کو بھی ہنس کھیل کر گوارا کر لیتے تھے، اس بارے میں مجتبیٰ حسین یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

''ان کے کلام میں زندگی ہے اور زندہ دلی، گو وہ ذاتی طور پر غم دوراں کے شہکار رہے ہیں لیکن اس غم کو انہوں نے اپنی زندگی پر مسلط نہیں ہونے دیا اپنے جذبات کی شگفتگی کو برقرار رکھا ان کے فکاہیہ انداز میں

---

[1] ''حرف شیریں'' قاضی غلام محمد۔ سال اشاعت ۱۹۶۲ء صفحہ ۲۰۔۲۱

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور انوکھا پن ہے، ان کا مزاح خشک بے جان پھسپھسا نہیں لگتا اس لئے کہ وہ خود روشن دماغ اور صاحبِ دل ہیں اور ایک تخلیقی فنکار ہیں۔

اٹھا کے سر سے اونچا پہلے وہ مجھکو پٹختے ہیں
بہت ہی پیار سے پھر پوچھتے ہیں نیم جان کیوں ہو۔''[1]

غرض اسی اسلوب میں قاضی صاحب نے متعدد طویل نظمیں لکھی ہیں مثلاً ڈائننگ ہال، موت، تعزیت، مفلسوں کا قومی ترانہ، آدمی وغیرہ۔

قاضی صاحب شاعری تو برابر کرتے رہے مگر ''حرف شیریں'' کی اشاعت کے بعد 35 برس تک کوئی مجموعہ شائع نہیں کیا۔ بعض مشاعروں میں وہ کلام پڑھتے تھے مگر کلام کی اشاعت سے کتراتے تھے۔ اس عرصے میں وہ اردو اور کشمیری دونوں زبانوں میں شعر کہتے رہے مگر دوستوں کے اصرار کے باوجود کوئی مجموعہ شائع نہیں کیا۔ نویں دہائی کے پہلے حصے میں بعض قریبی احباب کے اصرار پر انہوں نے کشمیری کلام جمع کیا۔ اس کا انتخاب کیا اور محمد زماں آزردہؔ محمد امین اندرابی اور شفیع شوق کے تواتر کے ساتھ اصرار پر اسکی کتابت معراج ترکوی سے کرائی اور امین صاحب (مرحوم) نے اسکی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔

قاضی صاحب راہیؔ صاحب کے قدردان بھی تھے اور ان سے متاثر بھی تھے البتہ قاضی صاحب کا مزاج روایتی تھا اور فارسی اور اردو اساتذہ کے کلام سے متاثر تھے۔ خصوصاً غالبؔ سے۔ چنانچہ کشمیری مجموعہ ''صورت خانہ'' ۱۹۹۷ء میں اشاعت پذیر ہونا تھا تو پیش لفظ کی جگہ کولرج اور غالب کے تصورات شعر کے ذیل

---

[1] ماہنامہ شگوفے اکتوبر ۱۹۹۵ء منظور الامین صفحہ ۳۳

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں اپنا ایک اردو کا شعر اور ایک فارسی کا شعر دیا۔ یہ مجموعہ بہت مختصر ہے۔ صفحات کی تعداد ۴۶ ہے اور کسی صفحے پر اشعار کی تعداد چار سے زائد نہیں۔

قاضی صاحب ریاضی دان تھے اور ریاضی کی سب سے اہم خصوصیت اسکا اختصار ہے۔ قاضی صاحب نے شاعری میں اس اختصار کو قائم رکھا۔ اسی لئے ان کا سارا کلام انتخاب معلوم ہوتا ہے ''صورت خانہ'' میں کل ۲۶ غزلیں تین نظمیں اور چند متفرق اشعار ہیں۔

''صورت خانہ'' کی غزلیں اس قاضی صاحب کو پیش نہیں کرتیں جو حرف شیریں کا مصنف تھا یہ غزلیں نہایت سنجیدہ اور شناور ذہن کی تخلیق معلوم ہوتی ہیں چھوٹی چھوٹی بحروں میں سادہ اور آسان لفظوں میں کہے ہوئے شعر دل کو چھوتے ہوئے دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ ان غزلوں کی زبان نہ صرف قاضی صاحب کی زبان پر قدرت کا پتہ دیتی ہے بلکہ خود کشمیری زبان میں تخلیقی امکانات کے در وا کرتی ہے۔ سیدھے سادے اور سامنے کے لفظ اس طرح اپنی آغوش میں معنی کے محل لئے نظر آتے ہیں کہ خود لفظ کی دنیا وسیع تر ہونے لگتی ہے۔ قاضی صاحب کا اظہار روایتی ہے مگر افکار اپنے اندر جدت لئے ہوئے ہیں۔ مثلاً

پرٛون بازر وُچھ زنتہ کا نہہ خاباہ [1]

ترجمہ پرانا بازار دیکھو جیسے کوئی خواب ہے

قاضی صاحب اس شعر میں وقت کے احساس کی کچھ اسطرح سے ترجمانی کرتے ہیں کہ خوبصورت چیز اگر برسوں آنکھوں کے سامنے رہے تو لگے گا وہ برس

---

[1] صورت خانہ صفحہ ۴۶

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جیسے پل بھر میں گزر گئے اور اگر انسان پل بھر کے لئے اپنے محبوب سے دور ہو تو محسوس یہ ہو گا کہ برسوں کے بچھڑے ہوئے ہیں ۔ قاضی صاحب ریاضی اور طبعیات کے ماہر تھے ۔ ان مضامین میں وقت کو ماپنے کے طے شدہ پیمانے ہیں لیکن '' شاعر قاضی'' وقت کو احساس کے کوائف سے ماپتے ہیں اور اپنی جذباتی کیفیت کو سادہ اور آسان لفظوں میں پیش کرتے ہیں ۔ اس شعر میں '' آذِپ '' (تھوڑی دیر پہلے) اور " وٲنٛساہ " (ایک عمر) بجائے خود وقت نہیں بلکہ وقت کا احساس جو مختلف ذہنوں میں مختلف صورتوں میں اجاگر ہو سکتا ہے ۔ قاضی صاحب کی شاعری میں وقت کا احساس کچھ اس طرح شدت سے ملتا ہے کہ لگتا ہے وہ اس سے کہیں بھی دامن چھڑا نہیں پاتے '' راتھ '' (گزرا ہوا کل) قاضی صاحب کی غزلوں میں بہت زیادہ استعمال ہوا ہے ۔

قاضی صاحب کی شاعری کا محور گاؤں (دیہات) ہے ۔ ان کا بچپن اننت ناگ کے ایک محلے یا گاؤں میں گزرا ۔ تعلیم کے سلسلے میں کچھ برس علی گڑھ میں گزارے ۔ بقیہ زندگی انہوں نے شہر سرینگر میں گذاری ۔ یہ سچ ہے کہ کافی وقت تک وہ روز اننت ناگ سے آتے جاتے تھے مگر اننت ناگ سے صبح سویرے نکلتے اور شام کو واپس اننت ناگ تھکے ماندے پہنچتے ۔ اس طرح وہ زیادہ تر شہر میں رہے لیکن بچپن کا گاؤں ان کے خیالوں میں اسقدر بسا ہوا تھا کہ وہ اس سے باہر کبھی نہ نکل سکے ۔ اپنی شاعری میں وہ ہمیشہ اسی بچپن کو یاد کرتے رہے کہتے ہیں ۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بختہ بوڑ چھکھ ژ شہر تراوِتھ آکھ

گام وو تکھ تہ راو بونیس تل

وٗہی میٚے کیاہ گوو بہ کیا ز واپس آس

ژٗہی میٚے سورے مشاد بو ہنس تل[1]

قاضی صاحب کا اپنا بچپن اپنے ہمزاد کی طرح ہمیشہ ساتھ رہا وہ سنجیدہ مفاہیم کوادا کرتے ہوئے بھی اپنے بچپن سے باہر نہیں نکلتے۔ قاضی صاحب نے جس عمر میں بھی شعر کہے، ان کا بچپن ہمیشہ آڑے آیا۔ اپنی شاعری میں وہ ایک ایسے معصوم بچے کے مانند نظر آتے ہیں، جو پروانہ کو دیکھ کر اسکو پکڑنے کے لئے مچلے اور آسمان میں بکھرے ہوئے ستاروں کو اپنی جھولی میں بھرنا چاہے قاضی کی کیفیت اپنے شعروں میں اس بچے کی سی ہے جس کو ہر حسین لپک کے اپنی گود میں لینا چاہے سایہ دار چنار قد آور سفیدے پرسکون جگہیں، ٹھنڈے اور میٹھے چشمے اسکو ہر وقت اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں۔ شہر میں سو کر وہ گاؤں کے خواب دیکھتے ہیں۔ شہر کی تپتی دھوپ میں وہ اپنے آپکو بڑے بڑے چناروں کے سائے میں بیٹھا محسوس کرتے ہیں، جسے وہ دیہاتوں کے میٹھے چشموں کے پانی سے سیراب کر رہے ہوں اور نہ جانے ان کی آنکھوں میں کیا کیا حسین صورتیں ہمہ وقت جلوہ گر رہتی ہوں گی۔

غلام نبی گوہر[2] نے اپنے مضمون میں قاضی صاحب کی شاعری میں کشمیر کا

---

[1] صورت خانہ صفحہ ۴۶

[2] غلام نبی گوہر کشمیری زبان کے مشہور ناول نگار، شاعر اور محقق ہیں۔ ناول ''پن تہ پاپ'' پر انھیں ساہتیہ اکادمی انعام ملا ہے۔ بحثیت سیشن جج کے ریٹائر ہوئے۔ آج کل وکالت کرتے ہیں اور کئی ادبی تنظیموں سے وابستہ ہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ماضی اور حال دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ قاضی صاحب کی شاعری کا ایک پھول ہے کہ خالص رومانیت کے باوجود اس میں گوہر صاحب کو سیاست کے خدوخال نظر آتے ہیں بعض اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

WE HAVE BEEN PLAYING HIDE AND SEEK WITH THE IMPOSED SITUATION OF DEATH WHICH HAS SURRDUNDED US
SINCE THE TWO NEIGHBOURING CLAIMENTS OF THE STATE HAVE TURNED IT INTO A WAR FIELD , IT IS REALLY A MIRACLE HOW IN THIS HIDE AND SEEK WE ATTEND OUR DAILY ROUTINES HOOD WINKING THE CHASING ' DEATH. [1]

قاضی صاحب کی علامتیں تشبیہیں اور استعارے کسی کے کام بھی آسکتے ہیں۔ اصل میں ان کے الفاظ مفاہیم کی طرف اشارے کرتے ہیں۔ وہ لفظوں سے آہنگ کا کام لیتے ہیں۔ معنی کا تعین قاری پر چھوڑتے ہیں

سید رسول پونپر قاضی صاحب کی کشمیری شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے

1- The Daily Moniter Srinagar Feb.6 2000

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں۔

قاضی صاًب چھُ لولہٕ زنجوٗرِ سازس ستی ژھبتہٕ ڈرِی چوٗکنٕ نظرو ستی کتی عالم ژھنڈِتھ یوان تہٕ خاب وونان یمن ہُند اچھویُت تہٕ اباسہٕ وُن دامانہٕ شُرِ سندی پاٗٹھی سہ تراوان چھنہٕ تِکیازِ تَس چھُ پننہٕ زندگی ہُند وِیُژ یوٗتُے باسان۔

ترجمہ: '' قاضی صاحب محبت کی زنجیروں کے ساتھ ساتھ اپنے حافظہ کے دریچوں سے تیز نظروں کی مدد سے پورے عالم کی سیر کرکے آتے ہیں اور خواب بنتے ہیں ان خوابوں کا دامن بچوں کی طرح سے وہ چھوڑتے ہی نہیں اس لئے کہ زندگی کا سرمایہ انہیں خواب معلوم ہوتے ہیں۔

سید رسول پوٓمپر نے بھی قاضی صاحب کی شاعری کے وہی پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو قاضی صاحب کی شاعری میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ''صورت خانہ'' میں جتنی بھی غزلیں ہیں وہ سب کی سب اسی رجحان کی ترجمانی کرتی ہیں۔ قاضی صاحب نے اگر چہ بہت کم شعر کہے مگر اسکے باوجود وہ اپنا اک مقام رکھتے ہیں اور کشمیر کی شاعری کی تاریخ میں اپنی انفرادیت کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

۱۔ پوت نظر۔ سید رسول پوٓمپر ۲۰۰۰ء صفحہ ۲۰۳

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حمامِ بادگرد

پروفیسر قاضی غلام محمد کا پہلا اردو شعری مجموعہ ۱۹۶۲ء میں ''حرف شیریں'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔ یہ مجموعہ اسم بامسمّیٰ تھا۔ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ پروفیسر محی الدین قادری زورؔ[1] کے تعارف اور پروفیسر اپورب سومناتھ[2] کے پیش لفظ نے لوگوں کو چونکا دیا۔ دونوں ادبی شخصیات نے قاضی صاحب کو ان کے شعروں میں دریافت کر کے لوگوں سے اعلانیہ بتا دیا کہ قاضی صاحب کشمیر کے ایسے تخلیق کار ہیں، جن کی پذیرائی خود شعر و ادب کی پذیرائی ہے۔ زورؔ صاحب اردو ادب کے جید عالم تھے اور اپورب سومناتھ انگریزی ادب کے اعلیٰ پایہ ناقدِ

۱۔ پروفیسر محی الدین قادری زورؔ کا وطن حیدر آباد تھا کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے قائم ہونے کے فوراً بعد ان کا صدر شعبہ کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ دکنی ادب پر ان کا مطالعہ اور کام قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کا انتقال کشمیر ہی میں ہوا اور یہیں ''خانیار'' میں ان کی آخری آرام گاہ ہے۔

۲۔ پروفیسر پورب سومناتھ کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی سے وابستہ تھے۔ ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ جب وہ شیکسپیئر کی شاعری یا ڈرامے پڑھاتے تھے تو لگتا تھا کہ جیسے شیکسپیئر خود اپنے پیش کردہ نکات کی وضاحت کر رہے ہیں۔ بعد میں جموں یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی سے وابستہ ہوئے آخری ایام بڑی تنگ دستی میں گذرے۔ شراب نوشی کی کثرت نے اپورب سومناتھ کو ختم کر کے رکھ دیا۔ مانگ مانگ کے شراب خریدنا اور پینا ان کی ایسی عادت بن گئی کہ بعد میں قریبی دوست بھی ان سے کتراتے تھے جموں ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حرف شیریں کے مشمولات میں مزاحیہ نظمیں بھی تھیں اور پیروڈیز بھی جن سے نوجواں بہت محظوظ ہوئے اس طرح قاضی صاحب کو جو شہرت علی گڑھ میں بحیثیت طالب علم شاعر (STUDENT POET) کے ملی تھی وہ کشمیر یونیورسٹی میں استاد شاعر (TEACHER POET) کی حیثیت سے دوبارہ نصیب ہوئی ۔ اسکا ذکر گذشتہ صفحات میں تفصیل سے آچکا ہے۔

حرف شیریں کے بعد شاگرد، رفقائے کار اور احباب قاضی صاحب سے برابر تقاضا کرتے رہے کہ وہ اپنا ''حرف شیریں'' کے بعد کا کلام مرتب کر کے شائع کردیں خود قاضی صاحب کی بھی یہ خواہش تھی مگر غم روزگار پیشہ ورانہ مصروفیات اور بچوں دواؤد اور فوزیہ کی تربیت نے بہت کم فرصت دی ۔ زندگی کے آخری برسوں میں کشمیری شاعری کا مجموعہ ''صورت خانہ'' شائع کر دیا مگر اردو کلام کی اشاعت ان کی زندگی میں نہ ہوسکی ۔ آخر ان کے انتقال کے ڈیڑھ سال بعد ان کی اہلیہ بیگم قاضی غلام محمد پروفیسر محمد امین اندرابی ڈاکٹر افضل قادری اور پروفیسر تصور احمد کنٹھ نے اسکے شائع کرانے میں بڑی محنت کی ۔ پروفیسر محمد امین اندرابی نے مسودے کو نہ صرف صاف کیا بلکہ بار بار اسکا پروف پڑھا تا کہ کتاب غلطیوں سے پاک رہے۔

''حمامِ بادگرد'' کتاب کا عنوان قاضی صاحب نے کس خیال کے پیش نظر چنا، معلوم نہیں۔ ان کی اہلیہ بیگم، قاضی غلام محمد اور پروفیسر محمد امین اندرابی کی کوششوں سے قاضی صاحب کا اردو کا دوسرا اور اب تک کا آخری مجموعہ جولائی 2000ء میں حمام بادگرد کے نام سے شائع ہوا۔ یہ مجموعہ ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں فارسی کی غزلیں فارسی کے متفرق اشعار اور اردو کی غزلیں اور قطعات

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تعزیت وتہنیت نامے اور متفرق اشعار شامل ہیں ۔ قاضی صاحب باوجود اپنی آزادہ روی کے عاشقِ رسولؐ تھے، چنانچہ اس میں ان کی ایک خوبصورت لغت بھی شامل ہے۔ قاضی صاحب کے اس مجموعے میں ان کا مزاحیہ اور طنزیہ کلام بھی شائع ہوا ہے جو انہوں نے ''حرف شیریں'' کے بعد نظم کیا تھا۔

حمامِ باد گرد میں فارسی کی نو غزلیں ،ایک غزل کے دو شعر اور کچھ متفرق اشعار ہیں۔ ڈاکٹر عروج اختر زیدی[1] نے اس کے دیباچہ میں قاضی صاحب کی فارسی شاعری کے بارے میں لکھا ہے۔:

> '' اردو تو اردو قاضی صاحب فارسی زبان پر ایسی دسترس اور قدرت رکھتے تھے کہ ان کے فارسی کلام پر جا بجا کہیں حافظ[2] اور کہیں سعدی[3] کا گمان ہوتا ہے ان کے مصرعے اسلوب و لغت میں کہیں کہیں ان اساتذہ کے مصاریح کے بہت قریب آجاتے ہیں۔''[4]

قاضی صاحب کا اساتذہ کے کلام کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ہزاروں اشعار

۱۔ ڈاکٹر عروج اختر زیدی، فارسی کے عالم اور اردو کے اچھے شاعر ہیں۔ امریکہ کے قیام کے دوران قاضی صاحب کی ان سے علمی اور ادبی دوستی ہوئی۔ یہ دوستی قاضی صاحب کے علی گڑھ کے ایک ہم سبق ڈاکٹر محمد ذکی کے وسیلے سے ہوئی تھی۔

۲۔ فارسی کے اعلیٰ پایہ شاعر جن کا دیوان مقبول خاص و عام ہے۔ لوگ اس سے فال نکالنے کا بھی کام لیتے ہیں۔

۳۔ فارسی کے اعلیٰ پایہ شاعر اور نثر نگار جن کی کتابیں گلستان اور بوستان دنیا بھر میں قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔

۴۔ حمام باد گرد صفحہ ۲۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

زبانی یاد تھے۔ ان اساتذہ کے کلام نے قاضی صاحب کو بہت متاثر کیا تھا، جن اساتذہ کا انہوں نے غائر مطالعہ کیا تھا۔ ان کے ہاں علم، فن شعر اور تخلیق شعر کا ایسا امتزاج ملتا تھا کہ کلام خود بخود اور فطری طور پر صنائع سے مزین ہو جاتا تھا۔ قاضی صاحب کے ہاں بھی حسنِ اظہار ان خوبیوں سے متصف ہے۔ یہاں پر ان کے فارسی کلام سے ایک مثال دی جاتی ہے، جس میں صنعت عکس کو بخوبی نبھایا ہے۔ اس صنعت کو صنعتِ تبدیل بھی کہتے ہیں۔ یعنی مصرعہ اول کا پہلا حصہ دوسرے مصرعے کے آخر میں دہرایا جائے اور مصرعہ اول کے آخری حصے کو مصرعہ دوم کی ابتداء میں دہرانے کو صنعت ردّ العجز علی الصدر بھی کہتے ہیں۔ قاضی صاحب کی اس غزل میں ان دونوں صنعتوں کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

چو بہ روئے یار نگہ کنم بہ ہزار دیدہ برابرم
بہ ہزار دیدہ برابرم چو بہ روئے یار نگہ کنم
بہ تو شرح قصہ چشم نم بزبان شعلہ نہ چوں دہم
بزبانِ شعلہ نہ چوں دہم بہ تو شرح قصہ چشم نم
بہ خیال لعلِ لب صنم دلِ فن نصاب طرب شود
دلِ من نصاب طرب شود بہ خیال لعلِ لب صنم[1]

سات شعر کی یہ غزل، پوری کی پوری اسی صنعت کی حامل ہے۔ اس سے قاضی صاحب کی فارسی دانی اور ان کے مزاج کی شعریت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک دو شعر میں اس صنعت کا استعمال ہر شاعر کے لئے ممکن ہے لیکن پوری غزل کی

---

[1] حمام بادگرد صفحہ ۲۵

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

غزل میں اس صنعت کا التزام رکھنا صاحبِ کمال ہی کر سکتا ہے۔

حمامِ بادگرد میں شامل قاضی صاحب کی فارسی شاعری، جذبہ عشق سے معمور ہے۔ یہ ساری غزلیں یا متفرق اشعار اپنے اندر اس روایت کو سموئے ہوئے ہیں جو صدیوں سے چلی آرہی تھی اور فارسی شاعری کی شناخت ہو گئی تھی۔ قاضی صاحب کا شستہ مذاق اور شاعرانہ مزاج اساتذہ کی ان خصوصیات کو عمر بھر کے مطالعہ سے، اپنے اندر جذب کر چکا تھا۔ جس کا اظہار ''مشک آنست کہ خود ببوید'' کی صورت میں ان کے فارسی کلام میں ہوا ہے۔

''حمامِ بادگرد'' کے حصہ اردو میں قاضی صاحب کی گیارہ سنجیدہ غزلیں شامل ہیں۔ ان غزلوں سے قبل ایک نعتِ رسول مقبولؐ ہے اس نعت میں قاضی صاحب ایک ایسی روایت کے پاسباں نظر آتے ہیں جس کی مثالیں کم و بیش ہر شاعر کے ہاں نظر آتی ہیں۔ وہی روایتی زبان، وہی روایتی طرزِ ادا، سرشاری اور عجز و انکساری جو دوسرے شعرا کے ہاں ملتی ہے۔ مثال کے طور پر چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

ہے مطلع انوار خدا روئے محمدؐ — سرچشمہ اخلاص و حیا موئے محمدؐ
والّیل ہے شاہد کہ بہنگامِ تلاوت — قرآن سے آتی ہے مجھے بوئے محمد
دو پارہ ہوا چاند بہ یک جنبش انگشت — کیا پوچھتے ہو قوتِ بازوئے محمد [1]

''حمامِ بادگرد'' میں شامل اردو غزلیں قاضی صاحب کی زبان پر قدرت اور خیال کی ندرت کا پتہ دیتی ہیں۔ ان غزلوں میں قاضی صاحب روایات کے حامی نظر آتے ہیں اور نئی فکر کے امانتدار بھی۔ فکر وار روایت کا امتزاج ان کے اشعار کی

---

[1] حمامِ بادگرد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ایسی خوبی ہے جس کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

قاضی صاحب کی اردو غزلیں زیادہ تر چھوٹی بحروں میں ہیں لیکن مطالب کے اعتبار سے کم سے کم کشمیر کی اردو شاعری میں لا جواب ہیں۔ قاضی صاحب ریاضی دان ہونے کے باوجود رومانی شاعر ہیں۔ مگر ان کا رومان بچپن میں کچھ ایسا اٹکا ہوا ہے کہ وہ بڑے ہوتے دکھائی نہیں دیتے وہ شہروں میں رہ کر اپنے بچپن کے دیہات کو بچپن میں دیکھے ہوئے چشموں کو چناروں کے سائے میں اپنے بیتے ہوئے لمحوں کو کبھی نہ بھلا سکے۔ ان کے لڑکپن کی یادیں کچھ اس طرح سے ان کے ذہن پر حاوی رہتی ہیں جیسے بچے کا کھلونا۔ قاضی صاحب کا رومان افلاطونی ہے جو صرف شروع ہوتا ہے، تکمیل کی صورت قاضی صاحب کے ذہن میں کبھی نہیں آتی وہ تصورات سے اپنے آپکو ہمیشہ آباد رکھنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

یاد آتی ہے اپنی بزم خیال
کچھ طلسمات کا سا عالم تھا

یا

جیسے صورت پذیر ہوں نغمے
تھے عجب ہم نشیں جہاں میں تھا

ادھ کھلے نور کے دریچے تھے
تر تھے سرگیں جہاں میں تھا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دسترس میں مری ستارے تھے
چاند بھی تھا قریں، جہاں میں تھا [1]

قاضی صاحب ستاروں کو اپنی جھولی میں بھرنا چاہتے ہیں ان کی کیفیت ایک معصوم بچے کی ہوتی ہے جس نے ابھی ابھی آنکھ کھولی ہو اور ہر نظر آنے والی چیز اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔ یقین کیجئے کہ شاعری اصل میں فلسفہ نہیں یہ وہ معصومیت ہے جس میں تازگی نظر، سادگی دل وارفتگیٔ خیال ہو۔ شاعر جب شعر کہتا ہے، اس وقت اسکی نظر میں دنیا والے نہیں رہتے دنیا رہتی ہے۔ وہ دنیا جو اسکی اپنی ہو، اپنے تخیل کی پیدا کردہ ہو۔ وہ باہر کی صورتوں سے پیار نہیں کرتا اپنے ذہن میں بسی ہوئی صورتوں سے پیار کرتا ہے۔

قاضی صاحب ریاضی داں تھے۔ انہوں نے فلسفہ پڑھا تھا فلسفوں کا مطالعہ کیا تھا۔ سقراط، افلاطوں اور ارسطو ان کے ذہن میں رہتے تھے۔ مثال کے طور پر قاضی صاحب کا یہ شعر دیکھئے ؎

اس نازنین کو لینے نہ آیا وہ بت تراش
سوئی ہوئی تھی کب سے وہ پتھر کے بیچ میں [2]

لگتا ہے کہ قاضی صاحب ارسطو کی THEORY OF MATTER AND FORM سے متاثر ہیں اسی لئے وہ پتھر کو دیکھ کر اس میں ایک سوئی ہوئی صورت کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ صورت اصل میں قاضی صاحب کے خیالوں کی اساس ہے

---

[1] حمام بادگرد۔ پروفیسر قاضی غلام محمد۔ سال اشاعت جولائی ۲۰۰۰ء صفحہ ۴۹۔۴۸

[2] حمام بادگرد۔ پروفیسر قاضی غلام محمد۔ سال اشاعت جولائی ۲۰۰۰ء صفحہ ۶۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شاعر کے لئے سب سے بڑی چیز یہی ہے کہ وہ اپنے اندر کیا کیا کوائف محسوس کرتا ہے۔شاعر صرف صاحب شعور نہیں ہوتا بلکہ حساس بھی ہوتا ہے۔

قاضی صاحب نے بچپن کی یادوں کو ایسا سینے سے لگائے رکھا ہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس دنیا سے باہر نہیں آتے۔ وہ خوابوں میں رقص کرتے ہیں۔ خیالوں میں گنگناتے ہیں اور مستی میں اپنی یادوں کو چومتے ہیں۔ دیکھئے کیا کہتے ہیں۔

بحر شفق پر پاؤں جما کر رقص کیا
چاند کو بھی سینے سے لگا کر رقص
رقص شرر کی دیکھا دیکھی دل مچلا
میں نے زہر ہلاہل کھا کر رقص کیا
پہلے کچھ مبہوت ہوئی پھر ناچی ساتھ
میں نے موت کے گھر میں جا کر رقص کیا[1]

قاضی صاحب دھوپ، عکس، سایہ، رات، شرر، رقص، خواب جیسے لفظوں کا جادو جگاتے ہیں وہ لغت میں کشمیر کے اردو شاعروں سے بہت الگ ہیں۔ اس لغت کے سہارے قاری ان کی شاعری میں اپنی طرف سے مفاہیم کا اضافہ کرتے ہیں۔اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ لفظوں کی بھول بھلیوں سے قاری کو چونکا دیتے ہیں بلکہ وہ ان لفظوں کی مدد سے ایسی علامتوں کو وجود بخشتے ہیں۔ جو ہر لحظہ نئی معلوم ہوتی ہیں اور پھر ایسے پیکر تراشتے ہیں جو ہزار شیوہ ہوتے ہیں۔قاری اپنے تصور کا چہرہ

---

[1] حمام بادگرد قاضی غلام محمد، سال اشاعت جولائی ۲۰۰۰ء صفحہ ۶۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اس پر چسپاں کر دیتے ہیں اور اسکو اپنے ذہن میں یوں اتارتے ہیں جیسے نامحسوس طور پر انسان کے ذہن میں خیال در آتا ہے۔

قاضی صاحب نے اس مجموعہ میں ایک نظم بھی شامل کی ہے جو ترجمہ معلوم ہوتی ہے۔ نظم کا عنوان DEATH DEFYING DANCE ہے اس نظم میں قاضی صاحب نے انسان اور زمین کا رشتہ جنون اور رقص کا رشتہ خواب اور حقیقت کا فاصلہ، موت اور وحشت کا سلسلہ اور اس سے بھی بڑھ کر ہونٹوں اور گیت کے رشتے کو لفظوں میں قید کرنے کی کوشش کی ہے۔

قاضی صاحب کی کھانے پینے کی عادتوں کا ذکر باب اول میں تفصیل سے آیا ہے۔ وہ خالص اور مقوی غذا نہ صرف کھاتے تھے بلکہ ایسا کرنے کی اپنے دوستوں کو ترغیب بھی دیتے تھے۔ اپنی نجی محفلوں میں وہ خاص طور سے کشمیری گوشت اور کشمیری سبزیوں کا ذکر کرتے تھے۔ بقول پروفیسر آزردہ قاضی صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ جو آدمی کشمیری گوشت نہ کھائے اور گھاس پھوس کھا کر گذارہ کرے وہ اچھے شعر کیسے کہہ سکتا ہے۔ اس احساس کی ترجمانی وہ یوں بھی کرتے ہیں۔

گھاس کی بو نفس نفس میں ہے
ڈالڈا کھا کر پیار کون کرے [1]

ڈالڈا جزو رگ و پے تو ہوا تھا لیکن
اب تو جذبات سے بھی گھاس کی بو آتی ہے [2]

۱۔ حمام بادگرد قاضی غلام محمد صفحہ ۹۱ ۲۔ حمام بادگرد قاضی غلام محمد صفحہ ۹۲

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اردو شاعری میں رقیب کا تصور جہاں بہت ہی تکلیف دہ ہے وہاں اس نے شاعروں کے لئے نئے مضامین بھی فراہم کئے ہیں۔ رقیب محض رقیب نہیں، کہیں یہ دیوار کی صورت اختیار کرتا ہے تو کہیں محتسب کی۔ کہیں اسکو ''روسیاہ'' کہا گیا ہے تو کہیں ''بے وفا'' اور بے مروت'' کا نام دیا گیا ہے۔ قاضی صاحب نے اس کو اکثر ''والد'' ''والدہ'' کی صورت میں دیکھا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

ان کے والد کے جیتے جی قاضیؔ
خود کو امیدوار کون کرے [1]

ماں بھی بیٹی کے ساتھ آئی ہے
جذبۂ دل نے منہ کی کھائی ہے [2]

میں غم نصیب جاؤں کہاں اور کہاں نہیں
وہ کون سی جگہ ہے جہاں تیری ماں نہیں [3]

اس طرح قاضی صاحب نے کہیں کہیں نوکری کو بھی محبت کا دشمن قرار دیا ہے اور ملازموں پر چوٹ بھی کی ہے کہتے ہیں۔

۱۔ حمام بادگرد قاضی غلام محمد صفحہ ۸۸

۲ حمام بادگرد قاضی غلام محمد صفحہ ۹۰

۳۔ حمام بادگرد قاضی غلام محمد صفحہ ۹۱

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

افسر کے پاس پی، اے جو دن بھر کھڑے کھڑے
بیچارہ گھر پہنچتے ہی لیٹا کھڑے کھڑے
مردود قبر میں نہ سمایا کسی طرح
ناچار تیرے باپ کو گاڑا کھڑے کھڑے[1]

ملازمت میں قاضی صاحب اسکے قائل ہیں کہ تنخواہ چاہے کتنی بھی ہو اخراجات اور بیوی کے تقاضوں کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔قاضی نے جگہ جگہ اس کا اعتراف کیا ہے۔ پریم چند نے اپنی کہانی ''نمک کا داروغہ'' میں تنخواہ کو پورن ماشی کا چاند کہا ہے جو ایک دن دکھائی دیتا ہے پھر گھٹتے گھٹتے غائب ہو جاتا ہے۔ ہمارے قاضی صاحب ایک دن بھی اس سے مطمئن نہیں چاہے بیوی ہو یا محبوبہ تان تنخواہ ہی پر ٹوٹتی ہے۔

پہلی تاریخ کو تجدید وفا ہوتی ہے
اس سے شرماتا ہوں میں مجھ سے وہ شرماتی ہے[2]
پیار کی میٹھی باتوں میں مت چھیڑ مری تنخواہ کی بات
تیری کمر سے پہلے جو تھی اسکی نسبت آج بھی ہے[3]

قاضی صاحب نے انسان کے ذہنی کوائف کا بھرپور مطالعہ کیا ہے وہ انسان کی سوچ کے نشیب و فراز سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی چیز یا کسی آدمی

۱۔ حمام بادگرد قاضی غلام محمد صفحہ ۹۲
۲۔ حمام بادگرد قاضی غلام محمد صفحہ ۸۹
۳۔ حمام بادگرد قاضی غلام محمد صفحہ ۹۳

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کو ہر روز دیکھا جائے تو ایک اچھو ہو جاتا ہے مگر کیا کیجئے کہ اللہ کو تو ایک دن منہ دکھانا ہے اور بیوی سے روز ہی ملنا ہے۔ قاضی نے اسکے لئے ایک بہترین صورت نکالی ہے جس سے بیوی ہر دن نئی معلوم ہوتی ہے۔ پڑوسنیں کیسی ہوتی ہیں اور مرد انہیں ناپسند نہیں کرتے قاضی صاحب کہتے ہیں۔

بیوی سے مجھے کیوں نہ محبت ہو کہ ہر روز
دیکھا ہے اسے میں نے پڑوسن کی نظر سے[1]

پروفیسر محی الدین قادری زورؔ نے حرف شیریں کے تعارف میں لکھا تھا۔

"قاضی صاحب کے کلام میں زندگی اور زندہ دلی کے جن عناصر کی فراوانی ہے ان سے کسی قوم کے مزاج اور ماحول کے سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے نیا کشمیر جن ولولوں اور امنگوں کی آماجگاہ ہے ان سے اس کلام کے مطالعے کے بعد نہ صرف آگاہی ہوتی ہے بلکہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایسی جاندار اور پر لطف شاعری کس قسم کے ماحول میں نمودار ہو سکتی ہے۔"[2]

"حمام بادگرد" کا آخری اور چوتھا حصہ متفرقات پر مشتمل ہے، اس میں کچھ سنجیدہ اشعار کچھ مزاحیہ اور کچھ تہنیت نامے اور کچھ تعزیت نامے ہیں۔ قربت میں دوری کا احساس کرنا ہو تو قاضی صاحب کا یہ شعر دیکھئے

نبض مری وہ دیکھ رہے ہیں پہنے ہوئے فر کا دستانہ[3]

---

[1] حمام بادگرد۔ پروفیسر قاضی غلام محمد صفحہ ۹۵

[2] "حرف شیرین" قاضی غلام محمد۔ تعارف پروفیسر سید محی الدین قادری زورؔ

[3] حمام بادگرد قاضی غلام محمد صفحہ ۹۹

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور عاشق کی کیفیت پر گہرا طنز کرنا ہو تو قاضی صاحب کا یہ شعر دیکھئے۔

عرض تمنّا پر وہ اپنے باپ کی بالیں سے بولی
صبر کرو ٹک قاضی صاحب بڈھے کو مر جانے دو [1]

اسکے علاوہ اپنے بیٹے قاضی محمد داؤد کے عقد پر نظم کیا ہوا تہنیت نامہ ہے جو ۱۳ جولائی ۱۹۹۶ء کو کہا گیا۔ اس میں ان کے سسر غلام نبی اور ان کی اہلیہ راحت آرا عرف ''روحی'' کا نام آیا ہے۔ اس نظم کے چند شعر یہ ہیں۔

مسند آرائے بزمِ سازو سرود
لِلہ الحمد جانِ حسن داؤد
راحت آرا بفضلِ رب کریم
دخترِ نیک خواجگان قدیم
ناز پروردہ غلام نبی
یافت روحی لقب چہ خوش لقبی
شکر صد شکر روز مسعود است
او عروس ست و شاہ داؤد است [2]

قاضی صاحب نے اسی طرح اپنے برادرِ نسبتی محمد اقبال کی شادی کی تقریب پر بھی ایک تہنیت نامہ نظم کیا۔ مثلث میں کہی ہوئی چھ بندوں کی اس نظم کا آخری بند قاضی صاحب نے بہت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

---

[1] حمام بادگرد۔ قاضی غلام محمد صفحہ ۹۹

[2] حمام بادگرد۔ قاضی غلام محمد صفحہ ۱۰۳

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تجھ پہ ریشمی راتیں مبارک
مداراتیں ،ملاقاتیں مبارک
نیاز و ناز کی باتیں مبارک [1]

اول شعبان ۱۳۹۰ھ

اسکے علاوہ شوکت اعجاز ،ڈاکٹر تصور کٹھ ،نذیر احمد قریشی کی شادی پر تہنیت نامے نظم کیے ہیں ۔اس مجموعہ کے آخر میں خواجہ علی محمد کین اور پروفیسر اظہار حسین کی وفات پر منظوم تعزیت نامے رقم کئے خواجہ علی محمد کین انکے عزیز تھے اور پروفیسر اظہار [2] ان کے دوست ۔

۱۔ حمام بادگرد۔ پروفیسر قاضی غلام محمد صفحہ ۱۰۳

۲۔ پروفیسر اظہار حسین علی گڑھ میں ریاضی کے پروفیسر تھے۔ یہ پروفیسر ثریا حسین سابق صدر شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شوہر تھے۔ قاضی صاحب انھیں بہت پسند کرتے تھے۔ پروفیسر اظہار صاحب جب بھی کشمیر آتے تو قاضی صاحب کے یہاں بار بار جاتے علی گڑھ سے پہلے یہ کشمیر میں ریجنل انجینئرنگ کالج میں ریاضی کے پروفیسر تھے۔ قاضی صاحب نے ان کی تاریخ وفات پر اس طرح شعر کہا ہے

کہی ہے ہاتف نے مجھ سے تاریخ سال رحلت
ریاضیات جدید کا نکتہ داں تھا وہ

۱۹۹۴ء

پروفیسر اظہار حسین اور پروفیسر ثریا حسین ، پروفیسر محمد زماں آزردہ کے بھی دوست تھے اور ان کی ملاقاتیں کشمیر میں اکثر قاضی صاحب ہی کے گھر پر ہی ہوتی تھیں یہ اچھا ہے کہ ان کے ایک اور شاگرد اور ساتھی پروفیسر محمد امین صوفی کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ ریاضی سے وابستہ ہوگئے ، اس طرح پروفیسر اظہار حسین کی صدائے بازگشت کشمیر یونیورسٹی میں اب بھی سنائی دیتی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

غرض قاضی صاحب کا مجموعہ حمامِ بادگرد قاضی صاحب کی شاعری کی ہر خصوصیت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور جب بھی قاضی صاحب کی شاعری کا ہر رنگ ایک جگہ دیکھنے کی خواہش ہو تو حمامِ بادگرد سے یہ کام لیا جا سکتا ہے۔

قاضی صاحب کی لغت شناسی، مضمون آفرینی، نکتہ سنجی اور بزلہ سنجی سب کچھ اس مجموعہ میں عیاں ہے۔ کشمیر کے اردو شاعروں میں قاضی صاحب نے اپنی نشت ایسی محفوظ کر لی ہے کہ کوئی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں کہلائی جا سکتی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

(خط کا نمونہ)

نائد کدل

نوہٹہ چوک سے بائیں طرف مڑ جائیے، تو آگے چل کر جہلم کے ایک قدیم اور خوابگوں گوشے میں یادش بخیر نائد یار پر اینٹوں کا پل نائد کدل کے نام سے مشہور تھا۔ میرا جب بھی یہاں سے گزر ہوتا تھا تو یہ جادوئی محراب میرا دامن دامن کھینچ لیتی تھی۔ میں ادھر ادھر دیکھ کر اس کی نمناک اینٹوں کو چھو کر ایک عجیب طرح کی طمانیت اور آسودگی محسوس کرتا تھا۔ اس پل کا سینہ سلسلۂ روز و شب کے حادثات کی رہ گزر تھا۔ میری چشم تصور ان بے شمار حملوں اور ناتوکتوں کو دیکھتی جو سحر کے دھندلکوں اور دن کے اجالوں میں یہاں سے گزرے ہوں گے۔

راگ کی رنگ کی بارات یہیں سے نکلی
دشت کی راہ میں بارات یہیں سے نکلی

ہر چند کہ یہ محراب کتنی ہی قرنوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھی، لیکن تھی ایک زندہ روایت Living example کی ~~جمال~~ مثال۔
میں نے بارہا دیکھا کہ یورپی سیاح مختلف زاویوں سے اس کی تصویریں لیتے اور یورپی مصور راہ چلتے لوگوں سے بے نیاز اپنے کینوس پر اس کی پراسرار شبیہ اتارنے میں منہمک ہوتے تھے۔ ان مردان آزاد کی چشم بینا اس قدیم پل کا حسن محزوں سمیٹنے کے لئے سراپا آغوش ہوتی تھی۔ گزشتہ ایک صد برس سے پل کے آس پاس شکست و ریخت کی مشق ستم جاری تھی، اور بستر مرگ پر یہ محراب آسیب فضاؤں میں دمبدم تحلیل ہوتی جا رہی تھی۔ نائد یار سوکھ چلا تو پل اپنے عکس کی دید سے بھی محروم ہو گیا تھا۔ اب کل جو میں ادھر سے گزرا تو

دیکھا کہ وہ گل ہوا ہوا ہے
کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے

ہم وطنوں کی ذوق جمال سے محرومی پر رونا آیا۔ مہذب اور متمدن ملکوں میں عہد ماضی کے نوادرات کی دیکھ بھال ایک قومی فریضہ مانی جاتی ہے، اور ان کی بقا کے لئے طرح طرح کے جتن کئے جاتے ہیں، ~~ہمارا یہ بہت سی~~ ایک ہم ہیں کہ چن چن کر اپنے آثار قدیمہ کی بیخ کنی پر تلے ہوئے ہیں۔ نائد کدل کی یہ باتیں اب بقول ذوق

ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

(خط کا نمونہ)

۷۸۶

تہنیت نامہ روزِ مسعود عقدِ قاضی محمد داؤد طال عمرہ

مسند آرائے بزمِ شادی سرور
للہ الحمد جانِ من داؤد

آں جگر گوشۂ کہ زادۂ ما
نازشِ فخرِ خانوادۂ ما

نیک خو، نیک ذات، نیک خصال
صاحبِ علم، صاحبِ اقبال

راحت آرا بفضلِ ربِ کریم
دخترِ نیک خواجگانِ قدیم

نازپروردۂ غلام نبی
یافت شوہری لقب چہ خوش لقبی

شکر صد شکر روزِ مسعود است
او عروس است و شاہ داؤد است

عاجزانہ من از خدا طلبم
بہرِ ایشاں فیضِ یک نگاہِ کرم

۲۳ جولائی ۱۹۹۶ سنہ

راقم قاضی غلام محمد ۶ ربیع الاول ۱۴۱۷ سنہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

(خط کا نمونہ)

شاخ گل از اضطراب بلبل — با آن همه خار سر برآورد

دی با دل دیوانه رفتیم به گلستانها — ای خونه تشنه گردی زرنگ گل و ریحانها

گر در طلبت رنجی ما را برسد شاید — چون عشق حرم باشد سهل است بیابانها

گویند مگو سعدی چندین سخن از عشقش — می‌گویم و بعد از من گویند به دورانها

چه نماز باشد آن را که تو در خیال باشی — تو صنم نمی‌گذاری که مرا نماز باشد

دل و جانم به تو مشغول و نظر در چپ و راست — تا نه دانند حریفان که تو منظور منی

به یادگار کسی دامن نسیم و صبا — گرفته‌ایم و چه حاصل که باد در چنگ است

ای تماشاگاه عالم روی تو — تو کجا بهر تماشا می‌روی

بامدادان که تفاوت نکند لیل و نهار — خوش بود دامن صحرا و تماشای بهار

در رفتن جان از بدن گویند هر نوعی سخن

من خود به چشم خویشتن دیدم که جانم می‌رود

به تماشای درختی چمنی حاجت نیست — هر که در خانه چو تو سرو روانی دارد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

(خط کا نمونہ)

وہ مجھے خواب کی رہگزر میں ملے
وقت سے وہ مگر کم پرانا نہ تھا
اجنبی لوگ تھے اجنبی شہر تھا
ساتویں در کی محراب کے اس طرف
دف بجاتے ہوئے نغمہ خواں تھے سب
رت جگوں کے اساطیری جنگل کے
جس کا دروازہ تھا سبز پتھر کی سل

اس پرانے محل کے کھنڈر میں ملے
ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم جس نگر میں ملے
ایسا لگتا تھا ہم باختر میں ملے
ہم ملے اور سوادِ سحر میں ملے
ایسے دو چار ہی شہر بھر میں ملے
نقش پر رنگ کے یا دو در میں ملے
ہم اس شہر کے ایک گھر میں ملے

ہم ہمیں دیکھ کر یاد آنے لگے
سربراہ وہ مجھ سے یوں ہنس کے ملے
فسوں زدہ تھی آنکھ دلوں کی فضا
تیرا رنگ میں اندھیرے میں کیا شور تھیں
تحیّر نے مجھ کو جہاں دار بنایا
میں پہنچا ہی تھا ساتویں در کے پاس
مرے شہر کے رہ گزر دار لوگ

بہلتے سمئے رت جگے دھند سے
گذشتہ زماں کی پچھ تھی مرے سامنے
سبھی دو قدم چل کے بیٹھے
اُدھارے سب نقش ڈھونڈنے
در یاد میں سونے
بہت ماند ملتا رہا حیاتِ نو
ابھی وہ کس بستی میں جا بسے

ہم اور تم کیا ہیں در سنانے
پل رو بیاں کر کے اڑانے

اثر خواب سحر لگتا ہے
ماہِ نو جاؤ دو لوٹا ہے
دانے کیا مباد و جتنا ہیں الفاظ
در کہتے ہوئے دو تا آ ہے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

(خط کا نمونہ)

دھوپ کے برعکس سائے میں نکھر جاتے ہیں لوگ
خواب کی دنیا میں کچھ سے کچھ نظر آتے ہیں لوگ

آدمی با وصف دانش صید صد اوہام ہے
رات کو پتا اگر کھڑکے تو ڈر جاتے ہیں لوگ۔

کیا گزرتی ہے دلوں پر رہگزر کے موڑ پر
سر جھکائے جب برابر سے گزر جاتے ہیں لوگ۔

اپنی گلیوں کے وہ دے جاتے ہیں سناٹے مجھے
ایک دن جب چھوڑ کر بابل کا گھر جاتے ہیں لوگ

چاند کی کرنوں کی صورت روزن دیوار سے
رات کے پچھلے پہر دل میں اتر جاتے ہیں لوگ

ادھ کھلی کھڑکی میں اب مکڑی نے جالا بنا لیا
اس گلی میں آج بھی کیا سوچ کر جاتے ہیں لوگ۔

یہ کب سے ترے سوا خفا تھا — اس دل کا عجیب ماجرا تھا
تو اور دریچہ میرے گھر کا — میں صحن خیال میں کھڑا تھا
روداد ملال شب نشیناں — لفظوں سے دھواں سا اٹھ رہا تھا
سنسان گلی میں سایہ آیا — وہ کون تھا کس کو ڈھونڈتا تھا
کس رنگ میں تو نے خود کو دیکھا — آئینہ نگاہ التجا تھا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شہر خستگاں کی ادھ کھلی کھڑکی کے اس طرف — اب سوگوار چہرہ برابر دکھائی دے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

باب چہارم

انتخاب کلام

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بس کا سفر

شہر جانا تھا مجھے درپیش تھا بس کا سفر
صحبتِ ناجنس سے ممکن نہیں ہرگز مفر
ہم نشین میرا جو موٹا تھا بانداز دگر
سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا جیسے لنگر ڈال کر
میری حالت دیکھ کر کہنے لگا وہ نکتہ سنج
"رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج"

گھس رہے تھے لوگ بس میں بے تحاشا بے مہار
ہر طرف جمہوریت تھی جلوہ گر اور آشکار
ٹوکروں میں مُرغیاں تھیں اور مُرغے بے شمار
بھیڑ بکرے بھی ہمارے ساتھ تھے بس میں سوار
بس میں کتنے لوگ تھے اُنکا کسے اندازہ تھا
"خانہ مجنوں صحرا گرد بے دروازہ تھا"

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بس کے اندر تھا مروّت اور ہمدردی کا کال
جیب کترے کے سوا کوئی نہ تھا پُرسانِ حال
دبدبے میں بس کا کنڈکٹر تھا افسر کی مثال
سامنے اُسکے کسے تھی لب کشائی کی مجال

کاٹ کر رکھ دی زباں اُسکی شکایت جس نے کی
اُس کی ٹھوکر سے تواضع کی حمایت جس نے کی

جو کھڑی تھیں بس کے بیچوں بیچ مچھلی والیاں
سیٹ پر بیٹھے ہوؤں کو دے رہی تھیں گالیاں
منچلے جو تھے بجاتے تھے وہ مل کر تالیاں
دید کے قابل تھیں ہم اشراف کی بدحالیاں

یوں کھڑا تھا بس میں لوگوں کا وہ بے قابو ہجوم
''ہم مؤحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم''

ایک محترمہ نے مجھ پر ڈال کر ترچھی نظر
اپنے بچے کو اُچھالا میری جانب ترک کر
کیچ میرے ہاتھ میں آیا گرا چشمہ مگر
میری دنیا ریزہ ریزہ کچھ اِدھر اور کچھ اُدھر

عزت سادات تو مل ہی گئی تھی خاک میں
اب اندھیرا چھا گیا تھا دیدۂ نمناک میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اک ہجوم بے دلاں تھا اور سرکاری تھی بس
اس کو منزل تک پہنچنا تھا مگر اگلے برس
پی لیا تھا جھوم کر ڈیزل کے بدلے سوم رس
منتیں لوگوں نے کیں ہوتی نہ تھی وہ ٹس سے مس

بدحواس اس درجہ ہوکر رہ گیا اک ہمسفر
وہ کھجاتا تھا میرا سر اس کو اپنا جان کر

چال میں رفتار میں بس کی تھی کجرائی بہت
دیکھ کر ٹریفک سپاہی کو وہ اِترائی بہت
راہ گیروں سے مکانوں سے وہ ٹکرائی بہت
وہ سفر تھا مجھ کو گھر والوں کی یاد آئی بہت

سربزانو تھے بلا ترتیب محمود و ایاز
اور ڈرائیور صورت حالات سے تھا بے نیاز

مختصر کرتا ہوں اب اپنے سفر کا ماجرا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
منزل مقصود تک پہنچا تو میں اٹھنے لگا
سینگ بکرے کا مگر پتلون میں ایسا پھنسا

سیٹ سے اٹھنا نہ تھا آساں ولے کوشش تو کی
اس کشاکش میں مری پتلون آدھی رہ گئی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بس سے میں اُترا تو میرا حال تھا ناگفتنی
میرا حلیہ دیکھ کر کتوں میں پھیلی سنسنی
منزل مقصود تک پہنچا تھا قسمت کا دھنی
چال میں تھی لڑکھڑاہٹ اور قد تھا منحنی

''جان کر مِن جملۂ خاصانِ میخانہ مجھے''
لے گئے پولیس والے جانبِ تھانہ مجھے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں کون ہوں اے ہم نفساں، ایک میاں ہوں
جھولا لئے بازار میں سائیکل پہ رواں ہوں

بیوی نے مجھے گھر سے بصد جبر نکالا
میں ورنہ وہی خلوتی خانۂ جاں ہوں

معلوم نہیں لینا مجھے کیا ہے یہاں سے
حیران و سراسیمہ کھڑا پیشِ دُکاں ہو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بن برسے ہی ہر روز گزر جاتی ہے سر سے
یارب یہ نحوست کی گھٹا آج تو برسے

بیوی سے مجھے کیوں نہ محبت ہو کہ ہر روز
دیکھا اُسے میں نے پڑوسن کی نظر سے

میں کُشتہ غم ضبطِ ولادت کا طرفدار
وہ شوخ صنم کثرت اولاد کو ترسے

میں نے گرز لئے تاک میں بیٹھا ہوں کہ شاید
چوہے کی سواری کا گزر ہوگا ادھر سے

کس طائر خوش بخت کی یہ بیٹ ہے یارب
جو سر پہ مرے آکے گری شاخ شجر سے

وہ بھو لپنا اپنا مجھے یاد ہے اب تک
میں تجھ سے لپٹتا تھا ترے باپ کے ڈر سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پن کھلا، ٹائی کھلی کالر کھلا
تین گھنٹے میں کہیں مسٹر کھلا

تین چوہے اُس سے برآمدے ہوئے
جب مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

تان ٹوٹی ہے مری تنخواہ پر
مجھ سے جب بھی وہ پری پیکر کھلا

صدرِ بلدیہ نے چھوڑا رات کو
ہر طرف کتوں کا اک لشکر کھلا

مولوی صاحب نے دیکھا خواب میں
اک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا

لن ترانی مہترانی نے کہا
اب مآلِ سعیِ آفیسر کھلا

دیکھو قاضی سے گر الجھا کوئی
ہے ولی پوشیدہ اور لیڈر کھلا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پھر کسی بے وفا کی یاد آئی
پیاز چھیلی تو آنکھ بھر آئی

اب کے مردم شماری میں میں نے
بے زبانی زبان لکھوائی

اس کو کس آدمی نے کاٹا ہے
ایک کتا ہوا ہے سودائی

اے خداوند و برتر و دانا
ہے تجھی سے یہ عالم آرائی

نیند میں مجھ کو کاٹنے کے لیے
کھٹملوں نے تجھی سے شہ پائی

تیرے فرمان کی اطاعت میں
صبحِ صادق مری ہے کجلائی

"ہے ہوا میں شراب کی تاثیر"
میں نے والد سے مار کیوں کھائی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ماں بھی بیٹی کے ساتھ آئی ہے
جذبۂ دل نے منہ کی کھائی ہے

نیند کیا آئے گی شب غم میں
تین ٹانگوں کی چارپائی ہے

کُشتۂ غم کی اب یہ حالت ہے
"پیٹ چلتا ہے، آنکھ آئی ہے"

تیری جوتی سے کیا ڈروں اے دوست
جانتا ہوں کہ ماورائی ہے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں غم نصیب جاؤں کہاں اور کہاں نہیں
وہ کون سی جگہ ہے جہاں تیری ماں نہیں

دل مطمئن ہے ضبطِ ولادت کے دور میں
مدت ہوئی رقیب سے میں بدگماں نہیں

مجنوں نے دوربین سے دیکھا کہ دشت میں
لیلیٰ کا دور دور تک کوئی نشان نہیں

مچھر کی جستجو میں ملا ہم کو یہ سبق
یعنی یہ نامراد وہاں ہے جہاں نہیں

تھانے میں دیدنی تھی مری وضعِ احتیاط
مستوں پہ تیرے ضبطِ تنفس گراں نہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈائننگ ہال

کیا تذکرہ بیرے کی صفائی کا کروں گا
پرچھائیں سے پانی کی یہ ڈرتا ہے بچارا

بیرے میاں بلّی بھرے پانی ترے آگے
بوٹی ہمیں دیتا ہے مگر گوشت اڑا کے

وابستہ ہے ہاتھوں سے تیرے میل کی تقدیر
چہرہ ترا مکھی کے حسیں خواب کی تعبیر

اس درجہ تری ذات سے مانوس ہے مکھی
دانستہ تری چھیڑ سے اڑنے نہیں پاتی

جو ناخن تدبیر ترے جوش میں آئیں
تو گوشت کی پرچھائیں بھی ہڈی سے اڑا دیں

اس گردشِ ایام نے دھوکے دیے کیا کیا
برتن میں ہے سالن پہ دکھائی نہیں دیتا

سبزی سی جو سبزی وہاں برتن میں دھری ہے
یہ گرمی اندیشہ سے مطبخ میں پکی ہے

ہر گوشت کی بوٹی ہے خیالی کوئی نقطہ
مرکز ہے یہی شوق کی مایوس نگہہ کا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شہکار چپاتی ہے وہ باریکیٔ فن کا
غالبؔ کا تصور بھی جسے پا نہیں سکتا

بے کیف ہے ڈھاکے ترے ململ کا فسانہ
آ دیکھ علی گڈھ میں چپاتی کا زمانہ

کیا تذکرہ آلو کی رفاقت کا کروں گا
پچیس جولائی سے یہ ساتھی ہے ہمارا

ناچیز کی خاطر اسے کیا کیا ہے گوارا
ہر روز نئے بھیس میں آتا ہے بچارا

ہاں اے دلِ بیتاب نہ کھا دال نما شئے
یہ خوردنی اشیاء سے نہیں دیدنی شئے ہے

خود اپنی حقیقت سے یہ واقف ہے بچاری
برتن میں پڑی رہتی ہے شرمائی ہوئی سی

ہے دال کی بے رنگ سطح پر جو سیہ شئے
مکھی ہے کہ اک دلدل الفت میں پھنسی ہے

اس شان سے جب سامنے لایا گیا کھانا
مُرجھایا ہوا پیٹ کا چہرہ نظر آیا

کھانا تو ابھی کھا کے اٹھا ہوں مگر اے دل
اِک حسرتِ حاصل کے سوا کچھ نہیں حاصل

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آپ کا انتظار کون کرے
شیو اب بار بار کون کرے

ضبطِ تولید کا زمانہ ہے
پیار مردانہ کون کرے

ہجر کی رات بیکراں ہے مگر
لیڈروں کا شمار کون کرے

گنگناتے ہیں یاد کے مچھر
شکوۂ ہجر یار کون کرے

گھاس کی بو نفس نفس میں ہے
ڈالڈا کھاکے پیار کون کرے

ان کے والد کے جیتے جی قاضیؔ
خود کو امیدوار کون کرے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جب بھی آتی ہے صبا شہرِ نگاراں سے یہاں
ضبطِ تولید کے پیغام کو دہراتی ہے

پہلی تاریخ کو تجدیدِ وفا ہوتی ہے
اُس سے شرماتا ہوں میں مجھ سے وہ شرماتی ہے

ڈالڈا جزوِ رگ و پے تو ہوا تھا لیکن
اب تو جذبات سے بھی گھاس کی بو آتی ہے

ان مہکتی ہوئی زلفوں کو پرے رہنے دے
ناک اس ذرۂ ناچیز کی جذباتی ہے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کرائے کا مکان

(نوٹ) کسی کرائے کے مکان کا ذکر چوہوں کے ذکر خیر کے بغیر نامکمل ہوگا۔ سقراط)

عجب شے ہے کرائے کا مکاں بھی
مکاں بھی ہے یہ ظالم لامکاں بھی

بڑی عجلت میں بنوایا گیا ہے
لئی سے چھت کو چپکایا گیا ہے

ہے واقع ایک نالی کے کنارے
میسر ہیں مجھے کیا کیا نظارے

نظیر ان کی جہانِ خواب میں ہے
بہار اِن کی شبِ مہتاب میں ہے

نہ کیوں ہو جسم میرا رنج سے چور
فقط دو میل ہے یہ شہر سے دور

ہم آپس میں بہت گھل مل گئے ہیں
مجھے جیبوں میں چمگادڑ ملے ہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں بام و در پہ یہ غارت گر ہوش
بہارِ بستر و نوروز آغوش[1]

ہماری اب یہ حالت ہوگئی ہے
اندھیروں سے محبت ہوگئی ہے

یہاں دن کو بھی اُلو بولتے ہیں
مرے کانوں میں امرس گھولتے ہیں

جو دنیا میں ہیں یہ کیڑے مکوڑے
یہیں پل کر جواں ہوتے ہیں سارے

غبار آلود یوں میری جبیں ہے
کہیں سیڑھی کہیں کچھ بھی نہیں ہے

اسی سیڑھی کا ہے وہ واقعہ بھی
لڑھک کے مرگئی جو ساس میری

یہاں چوہوں کے بِل اتنے بڑے ہیں
کئی ثابت قدم اِن میں گرے ہیں

مجھے بھی دور کی اک روز سوجھی
کہ اک لیڈر نما موٹا سا چوہا

---

[1] غالب کا شعر ہے:

زیر نگیں جلوہ ہا غارت گر ہوش　　بہار بستر ونوروز آغوش

ملاحظہ مثنوی چراغ دہر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دبائے منہ میں اک خاصہ بتاشا
مرے موزے پہن کر جارہا تھا

وہیں اک چوہیا نکلی کہیں سے
ٹپکتا ناز تھا اس کی جبیں سے

بسا تھا عطر میں ہر ریشہ اس کا
پرے تھا عرش سے اندیشہ اس کا

بہت بن ٹھن کے نکلی تھی بچاری
میاں چوہے نے ذرا آنکھ ماری

نگاہ غیر سے شرما گئی وہ
میاں چوہے سے پھر ٹکرا گئی وہ

ملے یوں طالب و مطلوب باہم
مجازی عشق کا لہرایا پرچم

غرض چوہے قیامت ڈھارہے ہیں
در و دیوار پر منڈلا رہے ہیں

میں لایا تھا کہیں سے ایک بلّی
پکڑ کر لے گئے چوہے اسے بھی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انٹرویو کے سوالات

فلسفہ کیا ہے ہم کو سمجھاؤ
سائیکل ٹیوب کا محیط بتاؤ

عمر کیا ہے دلائی لاما کی
کتنی چوڑی تھی چھاتی گاما کی

کیا تھا شیکسپیئر کی ساس کا نام
کس محلے میں کرتی تھی وہ کام

کتے راتوں کو کیوں نہیں سوتے
سینگ گدھوں کے کیوں نہیں ہوتے

بھینس کب اپنی دُم ہلاتی ہے
روز یہ کتنی گھاس کھاتی ہے

کتنی پائی تھی میرؔ نے تعلیم
کولرجؔ کو پسند کیوں تھی افیم

پارے کو کیوں ہے اضطراب بتاؤ
کس کی ایجاد ہے کباب بتاؤ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اچھے کیوں ہیں کبیؔر کے دوہے
ساری دنیا میں کتنے ہیں چوہے

یہ اہنسا کا مسئلہ کیا ہے
قطب مینار کتنا اونچا ہے

کون یہ فیلسوف نیوٹنؔ تھا
مڈل میں اس کا کیا ڈویژن تھا

کتنے افسانے موساپاںؔ نے لکھے
گول کل کتنے دھیان چندنے کیے

ہم نے کیا آج جی میں ٹھانی ہے
فاسٹ بولر کی کیا نشانی ہے

کون یہ سیلوے[1] ڈور ڈالی ہے
کتنی گہری گلی کی نالی ہے

پرچہ کس نے وہاں گرایا ہے
ہم نے مٹھی میں کیا چھپایا ہے

❁❁❁

۱۔ نامور سرریلٹ فنکار

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

او دیس سے آنے والے بتا

(اختر شیرانی سے معذرت کے ساتھ)

او دیس سے آنے والے بتا۔ کس حال میں ہیں یارانِ وطن
آوارۂ غربت کو بھی سنا۔ کس رنگ میں ہے کنعانِ وطن
وہ باغِ وطن فردوسِ وطن۔ وہ سرو وطن ریحان وطن
او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی وہاں کا ہر شاعر۔ تنقید کا مارا ہے کہ نہیں
افلاس کی آنکھوں کا تارا۔ وہ راج دلارا ہے کہ نہیں
اور اہلِ دول کی نظروں میں۔ وہ ایک گھسیارا ہے کہ نہیں
او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی وہاں ہر گنجا سر۔ اسکالر سمجھا جاتا ہے
کیا اب بھی وہاں کا ہر ایم اے۔ غالبؔ پر کچھ فرماتا ہے
اور جہل کی ظلمت میں کھوکر۔ اقبالؔ سے بھی ٹکراتا ہے
او دیس سے آنے والے بتا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کیا اب بھی وہاں کے سب شوہر۔ راتوں کو چھپ کر روتے ہیں
کیا اب بھی وہ قسمت کے مارے۔ دفتر میں اکثر سوتے ہیں
طعنوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ جب گھر میں کبھی وہ ہوتے ہیں

او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی اندھیری راتوں میں۔ کلچر کی حجامت ہوتی ہے
سڑکوں پہ تعارف سے پہلے۔ آپس میں محبت ہوتی ہے
بے شرم مٹاپا ہوتا ہے۔ شرمیلی نزاکت ہوتی ہے

او دیس سے آنے والے بتا

کیا شام کو اب بھی جاتے ہیں۔'' احباب کنارِ دریا پر''
بیوی کے کپڑے دھوتے ہیں۔ ''شاداب کنارِ دریا پر''
''اور پیار سے آکر جھانکتا ہے۔ مہتاب کنارِ دریا پر''

او دیس سے آنے والے بتا

سنتا ہوں وہاں کے لوگوں نے۔ باغوں میں ٹہلنا چھوڑ دیا
بے فکری کے عالم میں یونہی۔ سڑکوں پہ مچلنا چھوڑ دیا
کیا بیمہ ایجنٹوں کے ڈر سے۔ گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

او دیس سے آنے والے بتا

کیا قوم کے غم میں اب بھی وہاں۔ وہ جلسے اکثر ہوتے ہیں
کیا اب بھی وہ فرصت کے شاکی۔ موجود ڈنر پر ہوتے ہیں
جو کاروں میں گھوما کرتے تھے۔ کیا اب بھی وہ لیڈر ہوتے ہیں

او دیس سے آنے والے بتا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کیا اب بھی وہاں پہلے کی طرح۔ سچ لاٹھی ٹیک کے چلتا ہے
اور جھوٹ کہاں سے کیا جانیں۔ بجلی کی سی سرعت لایا ہے
وہ شرم سے پانی پانی ہے۔ سر فخر سے اس کا اونچا ہے
او دیس سے آنے والے بتا

آخر میں یہ حسرت ہے کہ بتا۔ ریحانہ کے کتنے بچے ہیں
ریحانہ کے وہ کس حال میں ہیں۔ کیا اب بھی وہ پنشن پاتے ہیں
کچھ بال تو تھے جب میں تھا وہاں۔ کیا اب وہ مکمل گنجے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہم یونہی گزرے تھے اک دن شہر کے بازار سے
تب سے کچھ سوئے ہوئے لگتے ہیں کچھ بیدار سے

منتظر ہے دھیان کے ساحل پہ ایک پتھر کا بت
آنے والا اک سفینہ ہے سمندر پار سے

لوگ پتھر ہاتھ میں لے کے کھڑے ہیں دیر سے
کہف کے اصحاب کب نکلیں گے یارب غار سے

دیدنی ہے دل کا ویرانہ کہ اس کی خاک میں
اک گلابی شہر کے ملتے ہیں کچھ آثار سے

یا پری ہے یا ہیوٹی ہے نسیمِ صبح کا
کچھ نظر آتا ہے مجھ کو رخنۂ دیوار سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بحرِ شفق پر پاؤں جما کر رقص کیا
چاند کو بھی سینے سے لگا کر رقص کیا

ضبطِ غمِ دل کچھ ایسا آسان نہ تھا
شعلوں کو دانتوں میں دبا کر رقص کیا

رقصِ شرر کی دیکھا دیکھی دل مچلا
میں نے زہرِ ہلاہل کھا کر رقص کیا

مانع آزادی تھی متانت کی زنجیر
یعنی خود کو خود سے چھڑا کر رقص کیا

خانہ بدوشوں کے حلقے میں میں نے رات
ڈھولک کی دھن پر لہرا کر رقص کیا

پھولوں کی سر اندازی تھی قابلِ دید
میں نے باغ میں جب اترا کر رقص کیا

پہلے کچھ مبہوت ہوئی پھر ناچی ساتھ
میں نے موت کے گھر میں جا کر رقص کیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دھوپ کے برعکس سائے میں نکھر جاتے ہیں لوگ
خواب کی دنیا میں کچھ سے کچھ ٹھہر جاتے ہیں لوگ

آدمی باوصفِ دانش صید صد اوہام ہے
رات کو پتہ اگر کھڑکے تو ڈر جاتے ہیں لوگ

کیا گزرتی ہے دلوں پر رہگزر کے موڑ پر
سر جھکائے جب برابر سے گزر جاتے ہیں لوگ

اپنی گلیوں کے وہ دے جاتے ہیں سنّاٹے مجھے
ایک دن جب چھوڑ کر بابل کا گھر جاتے ہیں لوگ

چاند کی کرنوں کی صورت روزنِ دیوار سے
رات کے پچھلے پہر دل میں اُتر جاتے ہیں لوگ

ادھ کھلی کھڑکی میں اب مکڑی کا جالا ہے تنا
اس گلی میں آج بھی کیا سوچ کر جاتے ہیں لوگ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُنھیں دیکھ کر یاد آنے لگے
مہکتے سمے، رت جگے، زمزمے

سرِ راہ وہ مجھ سے یوں بھی ملے
گھنے بن کی چپ تھی مرے سامنے

فسوں گر تھی ان کی گلی کی فضا
سبھی دو قدم چل کے پتھرا گئے

تراشیں اندھیرے میں کیا صورتیں
اُجالے نے سب نقش دھندلا دیے

تحیر نے مجھ کو کہاں لا رکھا
مرے گرد ہیں بولتے آئینے

میں پہنچا ہی تھا ساتویں در کے پاس
بہت ہاتھ ملتا رہا جاگ کے

مرے شہر کے وہ طرحدار لوگ
الٰہی وہ کس دیس میں جا بسے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بیاد پروفیسر اظہار حسین۔ علی گڑھ

نمونہ تھے وہ گئے دنوں کی شرافتوں کا
اسے تھا ادراک ہندسہ کی نزاکتوں کا
کلام میں ایک موجِ زیریں مزاح کی تھی
کہ نطق لیتا تھا بوسہ جس کی لطافتوں کا
وہ بزم ہو شاعری کی یا محفل ریاضی
ہمیشہ ہوتا تھا اس سے اظہار نکہتوں کا
عجیب تاثیر اس کی صحبت میں ہم نے پائی
دلائے احساس دوریوں میں جو قربتوں کا
بلیغ ایسا کہ فرد تھا گفتگو کے فن میں
وہ ماہرِ فن اشارتوں اور کنایتوں کا

☆

تاریخ وفات بمطابق سال عیسوی

کہی ہے ہاتف نے مجھ سے تاریخ سالِ رحلت
''ریاضیاتِ جدید کا نکتہ داں'' تھا وہ

۱۹۹۴ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کتابیات

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کتب

۱۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا — مرتبہ سید قاسم محمود
شائع کردہ: الفیصل ناشرانِ کتب لاہور
جولائی ۲۰۰۰ء

۲۔ اقبال اور تصوف — مرتبہ آل احمد سرور
شائع اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی
طبع ثانی ۱۹۹۴ء

۳۔ اقبال اور قرآن — مرتبہ محمد امین اندرابی
شائع: اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی ۱۹۹۴ء

۴۔ پوت نظر — سید رسول پونپر ۲۰۰۰ء

۵۔ پیروڈی — مظہر احمد ۲۰۰۰ء

۶۔ جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشو نما
ڈاکٹر برج پریمی۔ طبع ثانی ۲۰۰۰ء

۷۔ تاریخ حسن — پیر غلام حسن کھویہامی
شائع: حکومت جموں و کشمیر شعبۂ ریسرچ ۱۹۵۴ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

۸۔حرف شیریں — پروفیسر قاضی غلام محمد ۱۹۶۲ء

۹۔حمام بادگرد — پروفیسر قاضی غلام محمد ۲۰۰۰ء

۱۰۔صورت خانہ — پروفیسر قاضی غلام محمد

۱۱۔ریاست جموں وکشمیر میں اردو ادب — حامدی کاشمیری ۱۹۹۱ء

۱۲۔کشمیر میں اردو — حبیب کیفوی اپریل ۱۹۷۹ء

۱۳۔کشمیر میں اردو — پروفیسر عبدالقادر سروری جلد اول تا سوم ۱۹۸۴ء
شائع کردہ: کلچرل اکادمی سری نگر

اخبارات ورسائل

۱۔روزنامہ آفتاب — مورخہ ۶/فروری ۹۹ء

۲۔روزنامہ الصفا — مورخہ ۶/فروری ۹۹ء

۳۔سرینگر ٹائمز — مورخہ ۶/فروری ۹۹ء

۴۔ہفت روزہ استقلال — شمارہ ۲۶/جولائی ۱۹۸۳ء

۵۔ماہنامہ شگوفے حیدرآباد — اکتوبر ۱۹۹۵ء

۶۔شیرازہ اردو فائل — کلچرل اکادمی سرینگر

۷۔ماہنامہ ''تعمیر'' — محکمہ اطلاعات، اگست، ستمبر ۱۹۶۲ء

۸۔گلالہ — کشمیر یونیورسٹی ۲۰۰۰ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

۹۔ اقبالیات — اقبال انسٹی ٹیوٹ شمارہ ۱۴

۱۰۔ دانش — مجلّہ شعبہ فارسی شمارہ ۱۲۔۱۱

۱۱۔ A Journal of the University of Jammu & Kashmir Vol II 1960

۱۲۔ Daily Monitor Srinagar Feb.2000

مخطوطات

۱۔ مخطوطات — ملکیت اہلیہ قاضی غلام محمد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہد پبلیکشنز کی دوسری مطبوعات

نام کتاب	مرتب/مصنف	قیمت
1. کلاسیکی اردو شاعری روایتی ادارے کردار اور علامتیں	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	300/
2. شمالی ہند کی بولیوں اور بھاشاؤں میں بارہ ماسہ کی روایت	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	250/
3. سفرنامۂ حیدرآباد اور لاہور	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	300/
4. جنوب مغربی ایشیا میں ہمارا تہذیبی ورثہ	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	300/
5. ترقی پسند ادب کے معمار انسائیکلو پیڈیا جلد اول	پروفیسر قمر رئیس	500/
6. موجِ نقد	پروفیسر محمد زماں آزردہ	250/
7. میر تقی میر عالمی سیمنار	اطہر رضوی	300/
8. عالمی میر انیس سیمینار	اطہر رضوی	300/
9. گرہم برانہ مانیں	اطہر رضوی	200/
10. دہلی میں اردو افسانہ	ڈاکٹر ظلِ ہما	300/
11. صادق الخیری حیات اور ادبی خدمات	ڈاکٹر ظلِ ہما	250/
12. افکار و نظریات	ڈاکٹر ظلِ ہما	300/

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

13.	ابواب المصائب	ڈاکٹر سید تقی عابدی	
14.	مثنویات دبیر	ڈاکٹر سید تقی عابدی	
15.	مصحف فارسی	ڈاکٹر سید تقی عابدی	
16.	کائنات نجم	ڈاکٹر سید تقی عابدی	
17.	قصہ مہر افروز و دلبر	ڈاکٹر شاہد حسین	300/
18.	مشاہیر کے خطوط بنام ڈاکٹر تنویر احمد علوی	ڈاکٹر شاہد حسین	300/
19.	چاند کے خطوط بنام ڈاکٹر تنویر احمد علوی	ڈاکٹر شاہد حسین	300/
20.	نقد انیس	سید مسعود حسن رضوی	300/
21.	ہندو مرثیہ گو شعراء	پروفیسر اکبر حیدری کشمیری	300/
22.	کچھ ذکر کچھ فکر	میمونہ علی چوگلے	350/
23.	پرہوا کے (شعری مجموعہ)	انور سلیم	175/
24.	شواظ (شعری مجموعہ)	عابد ادیب	200/
25.	غم سنور گئے (شعری مجموعہ)	ایوب قاسم کرجیکر	151/
26.	ہندوستانی نشاۃ ثانیہ میں قدیم دہلی کالج کا کردار	ڈاکٹر شمس الہدیٰ	300/
27.	قرۃ العین حیدر کے ابتدائی تین ناول	کل صبا	200/
28.	پروفیسر قاضی غلام محمد حیات اور فن	ڈاکٹر نصرت جان	250/
29.	سراج العروج	سید شمیم کاظم	
30.	گلدستہ مدحیات جلد پنجم	سید شمیم کاظم	
31.	گلدستہ مدحیات جلد ششم	سید شمیم کاظم	

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

خوب صورت اور معیاری

کتابیں چھپوانے کے لیے

SHAHID PUBLICATIONS

شاہد پبلی کیشنز، نئی دہلی ۲

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر قاضی غلام محمد اُردو، فارسی یا تاریخ کے پروفیسر نہیں بلکہ علمِ ریاضی کے ایک پروفیسر ہیں۔ اب یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ علمِ ریاضی کا ماہر اُردو میں شعر کہتا ہے اور دہلی یا لکھنؤ جیسے کسی شہر سے بھی اس کا تعلق نہیں وہ کشمیر کے ایک دور افتادہ علاقے سے نسبت رکھتا ہے۔ اُردو زبان سے محبت اور اس کے شعروشعور سے اُن کا تخلیقی حسیت کا رشتہ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اُس سے اس امر کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ اُردو ہمارے ملک کی مشترک زبان ہے۔ اور یہاں کے تہذیبی حلقوں اور دائروں سے اس کا گہرا رشتہ ہے۔ اُس کو شہر شاہجہاں آباد اور شاہی شہر لکھنؤ ہی سے ادبی اور تہذیبی تعلق نہیں ہے۔ اس عظیم ملک کی تہ[illegible] روایت اور اُس کی تاریخی حسیت سے یہ سلسلۂ فکرونظر جڑا ہوا ہے۔

اس معنی میں قاضی غلام محمد صاحب کی شاعری اور اُن کے پُر مزاح اسلوبِ فکرونگا[illegible] سے اُردو شاعری کا رشتہ غیر معمولی طور پر اہم ہو جاتا ہے۔

مزاح نگاری خود تہذیبی شعور سے نسبت رکھتی ہے اور بات کو کہنے، سوچنے اور کرگذرنے کے عمل سے بھی اسے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اُن کی مزاحیہ شاعری میں ہماری آج کی زندگی کے مظاہر اور تہذیبی رفتار و گفتار کے منظر نامے شامل ہیں۔ پُر مزاح اندازِ نظر اور گفتگو کا سلیقہ طریقہ سب کو نہیں آتا۔ اس لئے مذاق کرنے والے اکثر پھکڑ پن سے بچ نہیں پاتے۔ مگر قاضی غلام محمد صاحب کا طرزِ فکرونظر اور اسلوبِ شعروبیانِ شعر اپنے اندر سنجیدہ مقاصد کو بھی چھپائے رہتا ہے اور بات کرنے میں خوش گفتاری کے اعتبار سے یہ کہیے کہ منھ سے پھول جھڑتے ہیں۔ اُن کی تحریر کو پڑھتے ہوئے نہ کہیں یکسانیت کا احساس ہوتا ہے اور نہ بات کو دہرائے جانے کا عمل سامنے آتا ہے۔

ڈاکٹر نصرت جان کو مبارکباد دینے کو جی چاہتا ہے کہ انہوں نے اُردو والوں سے ایک ایسے کشمیری ادیب کا تعارف کرایا جو اپنے لب و لہجے اور اندازِ نظر کے اعتبار سے اُردو کا اپنا ایک نمائندہ نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر نصرت جان نے بڑی لگن اور محنت سے یہ کام مکمل کیا۔ ان کی زبان سلیس و رواں ہے۔

ڈاکٹر نصرت جان کی یہ ادبی کاوش اور تنقیدی رسائی فکر پڑھنے والوں کی نظر میں اُن کی اپنی ادبی حیثیت کی نمائندہ بنے گی۔ اور آئندہ بھی وہ اپنی ادبی کاوشوں کو برابر پیش کرتی رہیں گی۔

ڈاکٹر ظلِّ ہما

ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

نئی دہلی

SHAHID PUBLICATIONS

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

SHAHID PUBLICATIONS

2253, DARYA GANJ, NEW DELHI-110002